۲۵

منافقین کی قسمیں اور اُن کی علامتیں

(فرمودہ ۵/ اگست ۱۹۳۸ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں منافقین کے متعلق بعض باتیں بیان کی تھیں اور بتایا تھا کہ منافق ہر جماعت میں ہونے ضروری ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی جماعت آج تک دُنیا میں ایسی نہیں بنی جس کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہو اور اُس میں منافق پیدا نہ ہوئے ہوں۔ بعض لوگ نادانی سے یہ کہا کرتے ہیں کہ منافقت حکومت میں ہوتی ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اور روزانہ تجربہ کے بھی خلاف ہے۔ مذہبی جماعتوں کو جانے دو تم افراد کی دوستیوں کو لے لو۔ کیا کوئی بھی شخص ایسا ہے جو یہ کہہ سکے کہ اُس کے کسی دوست نے اس سے کبھی دھوکا بازی نہیں کی اور دوست کی دھوکا بازی کو ہی منافقت کہا کرتے ہیں۔ یعنی یوں ظاہر میں دوست ہو مگر اندر سے دشمنی اور شرارت کرتا ہو۔ میں سمجھتا ہوں سوائے ایسے بے وقوف کے جو انسان کی حقیقت سمجھنے سے عاری ہو اور جس میں قوتِ فیصلہ نہ ہو ہر انسان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس نے بعض سے حُسنِ سلوک کیا، ان کی وقتاً فوقتاً امداد کی اور ان سے ہر رنگ میں اچھا معاملہ کیا مگر وہ اندر ہی اندر سے اُس کے خلاف کوئی منصوبہ یا شرارت کرتے رہے۔ بچوں میں یہی ہوتا ہے۔ سکول کے لڑکے آپس میں دوستانہ تعلقات پیدا کرتے ہیں مگر ان میں بھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض دفعہ ظاہر میں ایک دوست بنا ہوُا ہوتا ہے مگر باطن میں وہ مخالف ہوتا ہے۔ وہاں کونسی حکومت ہوتی ہے؟ ہاں نظام

میں یہ بات زیادہ ہوتی ہے اور جہاں کہیں نظام ہوگا وہاں یہ بات نمایاں نظر آجائے گی اِس لئے کہ نظام ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے سپرد اِس نظام کی نگرانی ہوتی ہے اور چونکہ وہ نگرانی کرتے ہیں اِس لئے جب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص منافق ہے تو اسے بلایا جاتا ہے، اُس پر جرح کی جاتی ہے، اس کے متعلق گواہیاں لی جاتی ہیں اور اِس طرح تمام باتیں ریکارڈ اور شہادتوں میں آجاتی ہیں۔ پس چونکہ ایک نظام کے نتیجہ میں اس قسم کی باتیں ریکارڈ میں آجاتی ہیں اور منافقوں کو بُلا بُلا کران سے سوالات کئے جاتے ہیں اس لئے یہ بات نمایاں طور پر نظر آجاتی ہے لیکن جب ایک دوست دوسرے دوست سے غداری کرتا ہے تو وہ صرف اِتنا ہی کرتا ہے کہ اُس سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اس کے اندر یہ طاقت نہیں ہوتی کہ اُسے بلائے، اُس کے متعلق شہادتیں لے اور جرح کرکے اُس کی منافقت کو ثابت کرے اور اگر وہ اسے بلائے بھی تو وہ آئے گا کیوں؟ کہے گا تم گھر بیٹھو میں تمہارا کوئی نوکر نہیں کہ تمہارے بلانے پر آجاؤں۔ مگر جہاں نظام ہوتا ہے وہاں چونکہ ایک قسم کی طاقت ہوتی ہے اس لئے جن پر منافقت کا الزام ہو اُنہیں بلایا بھی جاتا ہے اُن کے متعلق گواہیاں بھی لی جاتی ہیں، اُن پر جرح بھی کی جاتی ہے اور اِس طرح یہ تمام چیزیں ریکارڈ میں آجاتی اور لوگوں کو نمایاں طور پر نظر آنے لگ جاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حکومت کے ساتھ منافقت ہوتی ہے، یہ حکومت کے مفہوم کے سمجھنے میں غلطی کھانے کا نتیجہ ہے اور اگر یہ صحیح ہو کہ حکومت کے ساتھ ہی منافقت ہوتی ہے تو اس حکومت سے مراد وہی حکومت ہوگی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ [1] کہ تم میں سے ہر شخص بادشاہ، چرواہا یا نگران ہے اور ہر شخص سے اپنی اپنی رعیت یا گلے کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ تو کوئی انسان دنیا میں ایسا نہیں جس کو کچھ نہ کچھ حکومت نہ ملی ہو۔ اگر اس کی بیوی ہے تو اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ [2] کے ماتحت وہ اپنی بیوی کی نگرانی کرتا ہے۔ اگر اس کے بچے ہیں تو وہ اپنے بچوں کا نگران ہے۔ پھر یہ دنیا سینکڑوں یا ہزاروں افراد پر مشتمل نہیں بلکہ اربوں کی دنیا ہے اس دنیا میں ہزاروں ایسے آدمی ملیں گے جن کی بیویاں منافق ہوتی ہیں۔

وہ بظاہر اپنے خاوندوں کے ساتھ رہتی ہیں مگر درپردہ بدکاری اور فسق و فجور اُن میں پایا جاتا ہے اور وہ دوسروں سے تعلقات رکھتی ہیں، پھر ہزاروں ایسی ہیں جو بدکار تو نہیں لیکن انہیں اپنے خاوندوں سے دشمنی ہے اور اِس وجہ سے وہ اپنے خاوندوں کے خلاف بھی منصوبے کرتی رہتی ہیں، پھر ہزاروں ایسی ملیں گی جو خاوندوں کے حُسنِ سلوک میں کمی ہونے کی وجہ سے اُن کے خلاف فتنہ وفساد بپا رکھتی ہیں اور اسی کا نام منافقت ہے۔ پھر جو دوست ہوتے ہیں ان میں بھی ایک رنگ کی حکومت ہوتی ہے۔تم کبھی دو دوست مساوی نہیں دیکھو گے۔ جب بھی دیکھو گے تمہیں معلوم ہوگا کہ ایک غالب دوست ہے اور ایک مغلوب دوست ہے۔یعنی ایک دوست دوسرے دوست کے پیچھے چلنے والا ہوگا اور دوسرا اُسے مشورہ دینے والا اور اُسے چلانے والا ہوگا۔ دو برابر کے دوست تمہیں کبھی نظر نہیں آئیں گے کیونکہ یہ فطرت کے ہی خلاف ہے کہ انسانوں میں کُلّی طور پر مساوات ہو۔ وہ ضرور اپنے میں سے ایک کی قابلیت اور برتری کو تسلیم کرتے اور اُس کے پیچھے چلتے ہیں چاہے وہ مُنہ سے نہ کہتے ہوں کہ تُو ہمارا بادشاہ ہے۔ جہاں بھی چار پانچ دوست ہوں گے تم دیکھو گے کہ ان میں سے ایک دو مشورہ دینے والے ہوں گے اور باقی مشورہ لینے والے، ایک دو حکم دینے والے ہوں گے اور باقی حکم سُننے والے تو دوستوں میں بھی حکومت کا ایک رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح مدرسے ہیں، مساجد کے اجتماع ہیں، تجارتیں ہیں، زراعتیں ہیں، اِن سب میں ایک رنگ حکومت کا پایا جاتا ہے۔ بازار کا سوال ہو تو ایک چودھری ہوتا ہے جسے اپنے حلقہ میں ایک رنگ کی حکومت حاصل ہوتی ہے۔

غرض تھوڑی یا بہت حکومت ہر شخص کو حاصل ہے اور اس کے بغیر دنیا کا کام نہیں چلتا۔ چوروں اور ڈاکوؤں تک کو لے لیں ان کے سردار ہوتے ہیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ چور چوریاں کریں اور وہ کسی کو اپنا افسر نہ بنائیں، ڈاکو ڈاکے ڈالیں اور کسی کو اپنا لیڈر تجویز نہ کریں، فقیر اور سادھو بھی اپنے میں سے ایک کو افسر بنا لیتے ہیں۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ کوئی دو مؤمن ایسے نہ ہوں جو اپنے میں سے ایک شخص کو امیر نہ بنا لیں۔[۳] تو اب ایک رنگ کی حکومت تمام دنیا میں ہوگئی۔ ایک طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ کُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ اور دوسری طرف یہ فرمادیا کہ

جب بھی دو مؤمن اکٹھے ہوں اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لیں۔ ادھر دنیا کا قاعدہ بتا رہا ہے کہ یہ صحیح اصل ہے ہم کسی کو اپنا حاکم یا افسر نہ بھی بنائیں جس کے ذہن میں جِدّت اور تیزی ہوگی وہ آپ ہی آپ ہمارا افسر بن جائے گا۔ چاہے اُسے مُنہ سے نہ کہا جائے کہ آپ ہمارے افسر اور حاکم ہیں مگر عملاً یہی ہوگا کہ دوست اُسی سے مشورہ لیں گے اور اسی کے پیچھے اپنے آپ کو چلائیں گے چاہے یہ برتری اور فوقیت عقل کی وجہ سے ہو، چاہے مال کی وجہ سے۔ اگر چار پانچ دوست ہوں اور ان میں سے ایک دولت مند ہو تو گو بظاہر وہ اُس دولت مند کو کسی میٹنگ میں اپنا بادشاہ یا افسر مقرر نہیں کریں گے مگر عملاً یہی ہوگا کہ وہ اُسی دوست کے گھر میں جمع ہوں گے جو اُنہیں کھانا کھلائے یا چائے پلائے یا مٹھائی کھلائے۔ اب یہ برتری مال کی وجہ سے ہوگی کسی طاقت کی وجہ سے نہیں ہوگی۔ اِسی طرح چار پانچ اَور دوست ہوتے ہیں اور اُن میں سے ایک پہلوان ہوتا ہے دوسرے جانتے ہیں کہ اگر اس نے کسی کو ایک تھپڑ بھی مارا تو وہ کئی گز تک لڑھکتا چلا جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باقی کمزور لڑکے اُس کے اِردگِرد اکٹھے رہتے ہیں تا اگر دوسرے لڑکے ہمیں دِق کریں تو ہم اس کی پناہ میں محفوظ رہیں۔ اب وہ بادشاہ نہیں ہوتا انہوں نے کسی میٹنگ یا مجلس میں اُس کی افسری کو تسلیم کرنے کے متعلق کوئی ریزولیوشن پاس نہیں کیا ہوتا، کوئی کمیٹی نہیں کی ہوتی مگر فطرت خود بخود بہادر انسان کی فوقیت کو تسلیم کرا لیتی ہے۔ اسی طرح منافقوں کو دیکھ لو قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بھی لیڈر ہوتے ہیں، کفار کے بھی لیڈر ہوتے ہیں، حتّٰی کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو وہ کہیں گے یا اللہ! ہمارے کچھ سردار بھی تھے انہیں بھی سزا دی جائے اور ہم سے زیادہ دی جائے کیونکہ انہوں نے ہی ہم کو گمراہ کیا۔[۲] منافقوں کا بھی یہی حال ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ منافقوں کا لیڈر عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا۔ اب اس کے یہ معنے نہیں کہ انہوں نے اس کی لیڈری کے متعلق کوئی ریزولیوشن پاس کیا تھا یا کوئی کمیٹی ہوئی تھی جس میں یہ پاس ہؤا تھا کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کو اپنا لیڈر منتخب کیا جائے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ چونکہ منافقت میں دوسروں سے بڑھا ہؤا تھا اِس لئے خود بخود منافقوں کا لیڈر بن گیا۔ چوروں کا لیڈر بڑا چور ہوتا ہے، ڈاکوؤں کا لیڈر بڑا ڈاکو ہوتا ہے، بدکاروں کا لیڈر بڑا بدکار ہوتا ہے، سپاہیوں کا لیڈر بڑا لڑنے والا ہوتا ہے،

حساب دانوں کی اگر ایک مجلس ہو تو وہ اُسی کو اپنا لیڈر منتخب کریں گے جو سب سے زیادہ حساب دان ہو اور اگر اسے منتخب نہ بھی کریں تو بھی اگر کوئی بات کریں گے تو اُس سے پوچھ کر اور اگر کوئی فیصلہ کریں گے تو اس کی رائے لے کر۔ اسی طرح پانچ سات ڈاکٹر جمع ہوں، دو تین سب اسسٹنٹ سرجن ہوں دو اسسٹنٹ سرجن ہوں اور ایک سِول سرجن ہو تو جب بھی کوئی بات ہوگی تو وہ سِول سرجن کی طرف منہ کر کے کہیں گے کیوں جی! یہ بات اسی طرح ہے نا۔ یا سول سرجن کوئی نہ بھی ہو اگر ایک ڈاکٹر اپنے اندر غیر معمولی لیاقت رکھتا ہے تو ہر ڈاکٹر اُس کی بات پر مجبور ہوگا کہ اُس کی طرف منہ کر کے پوچھے کہ کیوں جی! یہ درست ہے؟ کیونکہ فطرت انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ قابلیت والے کی طرف جھکے اور اِسی کا نام حکومت ہے۔ ایسی مجالس میں جب بھی کسی کو شکوہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اندر ہی اندر منصوبے کرنے لگ جاتا ہے تو اِس کو منافقت کہا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوستیاں دشمنیوں سے اور رفاقتیں اختلاف سے بدل جاتی ہیں۔ میاں بیوی ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے بڑی محبت کرتے ہیں مگر پھر کوئی ایسا اختلاف ان میں پیدا ہو جاتا ہے کہ کہتے ہیں اب طلاق کے سوا کوئی علاج ہی نہیں مگر پھر کچھ عرصہ کے بعد انہیں دیکھا جاتا ہے تو ان میں اس قدر محبت ہوتی ہے گویا عاشق و معشوق ہیں۔ میرے سامنے چونکہ جماعت کے مقدمات آتے رہتے ہیں اس لئے مجھے ایسی بہت سی مثالیں معلوم ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان لڑائی ہوئی اور وہ لڑائی بڑھتی چلی گئی اور جب صلح کی کوشش کی گئی تو انہوں نے کہا اب رہنے دیجئے ہمارے دل پھٹ چکے ہیں اور پھٹا ہوا دل کسی صورت میں نہیں جُڑ سکتا۔ پھر اس پر زور دینے کے لئے کوئی پنجابی کی مثالیں دے گا، کوئی اردو کی مثالیں دے گا، کوئی انگریزی کی مثالیں دے گا اور جیسی جیسی لیاقت ہوگی اس کے مطابق اس بات پر زور دیا جائے گا کہ اب صلح بالکل ناممکن ہے دل ٹوٹ چکے ہیں اور سارے بزرگ یہ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ ٹُوٹا ہوا دل نہیں جُڑ سکتا مگر سال بھر کے بعد اُن کو دیکھا جائے تو یک جان و دو قالب ہوتے ہیں۔ پھر اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا ہوا؟ تم تو کہا کرتے تھے کہ صلح بالکل ناممکن ہے اور ٹوٹا ہوا دل جُڑ نہیں سکتا!! تو وہ کہتے ہیں کہ جی! اللہ نے بڑا فضل کر دیا اب تو ہماری آپس میں بڑی محبت ہے۔ پھر وہ تمام مثالیں بھول جاتے ہیں جو اختلاف کے موقع پر اُن کی زبانوں سے

سُنی جاتی ہیں۔

ایک میاں بیوی کا جھگڑا ایک دفعہ میرے پاس آیا۔ میں نے دونوں کے رشتہ داروں کو اکٹھا کیا اور چاہا کہ وہ آپس میں صلح کرلیں مگر اُس وقت صلح تو ایک طرف رہی اُنہوں نے میرے سامنے ایسی لڑائی کی، ایسی لڑائی کی کہ اس کی کوئی حد نہ رہی۔ میں نے بہتیری کوشش کی اور کہا کہ جھگڑا جانے دو اور صلح کرلو مگر وہ کہیں اب صلح کہاں ہوسکتی ہے، اب ایک کے رشتہ داروں کے دل دوسرے کے رشتہ داروں سے کٹ چکے ہیں اور میاں کا دل بیوی سے بھر چکا ہے اب صلح کی کوشش بالکل عبث ہے مگر اب اُنہی میاں بیوی کے درمیان اتنی محبت ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ میں اکثر اُن سے پوچھا کرتا ہوں بتاؤ صلح ہوسکتی تھی کہ نہیں؟ وہ کہتے ہیں جانے بھی دیجئیے وہ تو ہماری بے وقوفی کی بات تھی۔ تو ایک وقت ایسا آیا جب کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے درمیان صلح بالکل ناممکن ہے مگر اب وہ دنیا کے اچھے خوش جوڑوں میں سے ہیں اور ان کے درمیان اچھی محبت اور پیار ہے اور ان کی دینی حالت بھی بہت کچھ سُدھر گئی ہے۔ مگر وہ بھی اور ان کے رشتہ دار بھی اُس مجلس میں یہی کہتے تھے کہ اب دل پھٹ چکے ہیں صلح کی کوششیں سب عبث ہیں اور اب دوبارہ محبت کسی طرح پیدا نہیں ہوسکتی۔ تو ایسے کیس میں نے بہت دیکھے ہیں جہاں دوستیاں دشمنیوں سے اور دشمنیاں دوستی سے بدل جاتی ہیں اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی سے محبت کرو تو حد کے اندر کرو کیا معلوم کل تم آپس میں دشمن بن جاؤ اور جب کسی سے دشمنی کرو تو حد کے اندر کرو کیا معلوم کل تم آپس میں دوست بن جاؤ۔[5]

تو یہ جنہوں نے کہا ہے کہ منافقت حکومت کی وجہ سے ہوتی ہے، بالکل غلط ہے اور اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو حکومت سے مراد فوجوں والی حکومت نہیں ہوگی بلکہ اِس سے مراد نظام ہوگا۔ چاہے وہ ایک آئینی نظام ہو اور چاہے وہ ایک طبعی نظام ہو جیسے دوستوں میں ایک رنگ کی حکومت ہوتی ہے۔ یا جیسے چور اور ڈاکو اپنے میں سے ایک کو سردار سمجھ کر اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ بے شک وہ بعض دفعہ باقاعدہ طور پر بھی اپنا لیڈر چُن لیتے ہیں لیکن بعض دفعہ آپ ہی آپ ایک کی برتری اور فوقیت کو تسلیم کرلیتے ہیں۔ چاہے یہ برتری عقل کی وجہ سے ہو، چاہے علم کی وجہ سے ہو، چاہے مال کی وجہ سے ہو اور باقی آپ ہی آپ اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

میں نے کئی دفعہ مثال دی ہے کہ انسانی طبیعت ان امور سے قطع نظر کرتے ہوئے جو انسانوں سے ہی مخصوص ہیں اِس معاملہ میں بعض جانوروں سے مشابہت رکھتی ہے۔آجکل تو یہاں کُتّے بہت کم نظر آتے ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بڑی کثرت سے کُتّے ہوتے تھے اور جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ یہ حکم دیا کرتے تھے کہ آوارہ کُتّے مار دیئے جائیں۔[6] اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہر چھٹے ماہ یہ حکم دیا کرتے تھے کہ آوارہ کُتّے مار دیئے جائیں مگر اب ہمارے گھروں میں بہت کم کُتّا دکھائی دیتا ہے۔میں نے بچپن میں کُتّوں کو کئی دفعہ آپس میں لڑتے دیکھا ہے، اسی طرح بلیوں کو دیکھا ہے، جب یہ آپس میں لڑتے ہیں تو اپنی دُموں کو عجیب طرح حرکت دیتے اور اُنہیں اوپر اٹھا لیتے ہیں۔آنکھیں ان کی باہر نکلی ہوئی ہوتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تھوڑی دیر بھُوں بھُوں یا غرغر کرتے رہتے ہیں اور کچھ وقت گزرنے کے بعد ایک کُتّا دُم دبا کر ایک طرف کو چل دیتا ہے۔یا بِلّی دوسری کے مقابلہ سے ہٹ کر ایک طرف کو چل دیتی ہے۔جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اُس نے اپنی ہار تسلیم کر لی۔اب نہ اُن میں لڑائی ہوتی ہے نہ فساد ہوتا ہے۔نہ ایک دوسرے کو زخمی کرتے ہیں، محض آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تھوڑی دیر بھُوں بھُوں کرنے کے بعد ایک ان میں سے مقابلہ سے ہٹ جاتا ہے۔اسی طرح بلیاں کرتی ہیں۔بلیاں حقیقی طور پر بہت کم لڑتی ہیں۔اکثر وہ پیار سے ایک دوسری سے لڑتی ہیں۔دشمنی کی لڑائی بلیوں میں بہت کم ہوتی ہے اور کُتّوں میں بھی بہت کم ہوتی ہے۔جب وہ پیار سے لڑتے ہیں تو بظاہر ایک دوسرے کو گراتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرے کو پیار بھی کرتے جاتے ہیں اور چاٹتے جاتے ہیں مگر جب حقیقی طور پر کوئی لڑنے کا ارادہ کرے تو بہت کم لڑائی ہوتی ہے۔ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک زبردست کُتّا اچانک کمزور کُتّے پر پیچھے سے حملہ کر کے اُسے زخمی کر دے مگر مقابل میں ٹک کر ان میں لڑائی بہت شاذ ہوتی ہے اوہ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں تاڑ جاتے ہیں کہ کون کمزور ہے اور کون طاقت ور۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کمزور دُم دبا کر ایک طرف کو چل دیتا ہے۔یہی حالت انسان کی ہے مگر انسان کی عقلِ طبعی بہت کمزور ہوچکی ہے۔اِس کا علم ظاہری زیادہ ہے مگر حِسِّ طبعی بہت کمزور ہوگئی ہے۔اس لئے جن چیزوں کو جانور پہچان لیتا ہے

انسان ان کو نہیں پہچان سکتا۔ جانوروں میں چونکہ علم اندرونی ہے اس لئے ان کی اندرونی حِس بہت تیز ہوتی ہے۔ بیماریاں اور وبائیں آنے والی ہوتی ہیں تو کُتّے کئی کئی دن پہلے رونے لگ جاتے ہیں نہ معلوم اُنہیں وبا کے کیڑے نظر آجاتے ہیں یا سُونگھنے سے اُنہیں پتہ لگ جاتا ہے کہ اب وبا پھُوٹنے والی ہے۔ اللہ ہی جانے مگر بہر حال اِس مطالعہ میں ان کی عقل بڑی تیز ہوتی ہے اِسی طرح وہ قومیں جن کا ظاہری علم کم ہے، اُن کی بھی باطنی حِس بہت تیز ہوتی ہے۔ امریکہ کے ریڈ اِنڈینز کئی کئی میل سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سن لیتے ہیں اور یہ بتا دیتے ہیں کہ کوئی سوار آرہا ہے حالانکہ اُن کے پاس کوئی دُوربین نہیں ہوتی۔ وہ زمین کے ساتھ اپنا کان لگا دیتے اور دو دو تین میل سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُن لیتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ کوئی لشکر آرہا ہے اور وہ اتنے فاصلہ پر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زمین کے ساتھ کان لگا دینے سے کوئی ایسی حرکت محسوس ہوتی ہے جسے دوسرے لوگ محسوس نہیں کر سکتے۔ تو ظاہری علم کی وجہ سے انسان کی باطنی حِس بہت کم ہوگئی ہے مگر پھر بھی ہے گو اتنی نمایاں نہیں جتنی جانوروں میں ہے یہی وجہ ہے کہ ایک کمزور انسان زبردست کی حکومت کو آپ ہی تسلیم کر لیتا ہے مگر اس حکومت میں کبھی کوئی ایسی بات بھی ہو جاتی ہے جو اُس کی طبیعت کے خلاف ہوتی ہے اور جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ شریف ہو تو الگ ہو جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے اختلاف ہوا تو آپ نے کہہ دیا۔ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ [۲] حضرت موسیٰؑ نے یہ نہیں کیا کہ انہوں نے اوپر سے دوستی رکھتے ہوئے حضرت خضر کے ٹبّر میں فتنہ وفساد پھیلانا شروع کر دیا ہو بلکہ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ جب ہماری آپس میں نہیں نبھ سکتی تو بہتر ہے ہم الگ الگ ہو جائیں۔ پس جب تک وہ اکٹھے رہے وفادار رہے اور جب جُدا ہوئے تو جو شریف آدمی ہوتے ہیں وہ تو یہ طریق اختیار کرتے ہیں مگر جو کمینے ہوتے ہیں وہ اندر ہی اندر منصوبے کرنے شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایسے ہیں یہ ویسے ہیں۔

تو منافقوں کا ہونا ہر قوم اور سوسائٹی میں ممکن ہے لیکن نبیوں کی جماعتوں میں منافقوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ منافقت شیطان کا حربہ ہے اور شیطان سے بڑھ کر بھلا نبیوں کی جماعت کا اور کون دشمن ہو سکتا ہے اور جب وہ نبیوں کی جماعت کا سب سے بڑا دشمن ہے تو یہ کس طرح

ممکن ہے کہ وہ اَور حربے تو استعمال کرے مگر منافقت کے حربہ کو استعمال نہ کرے۔ یہ حربہ تو ضرور استعمال کرے گا اور اگر دوسری جگہ وہ اس حربہ کو اتفاقی چلاتا ہے تو نبیوں کی جماعت میں منظّم طور پر چلاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ منافق کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ہماری جماعت کو منافقین کے متعلق جو دھوکا لگا ہوا ہے اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ منافق کی تعریف نہیں سمجھتے۔ بسا اوقات جو تعریف ان کے ذہن میں ہوتی ہے وہ اَور ہوتی ہے اور منافق کی تعریف اَور ہوتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دھوکا کھا جاتے ہیں اور منافق کو پہچان نہیں سکتے۔ کئی لوگ خیال کرتے ہیں کہ منافق شائد نمازیں نہیں پڑھتے اور اِسی وجہ سے جب کسی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ منافق ہے تو کہتے ہیں وہ منافق کس طرح ہوسکتا ہے وہ تو بڑی نمازیں اور تہجد پڑھا کرتا ہے۔ حالانکہ یہ تو کوئی بات نہیں۔ ایک نمازیں پڑھنے والا بھی منافق ہوسکتا ہے۔ ایک تہجد پڑھنے والا بھی منافق ہوسکتا ہے، اور ایک ذکرِ الٰہی کرنے والا بھی منافق ہوسکتا ہے۔ پھر بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ منافق شاید چندے نہیں دیتے اور اِس وجہ سے جب انہیں کہا جائے کہ فلاں منافق ہے تو کہتے ہیں وہ منافق کس طرح ہوسکتا ہے معلوم ہوتا ہے تمہیں غلطی لگی ہے وہ تو بڑے چندے دیا کرتا ہے۔ حالانکہ منافق کی علامت یہ بھی ہے کہ وہ نِفاق کے ساتھ ساتھ چندے بھی دیتا ہے تا اُس کے افعال پر پردہ پڑا رہے اور اگر کوئی اعتراض کرے تو دوسرا اُسے یہ کہہ کر خاموش کرا سکے کہ یہ تو چندے دیا کرتا ہے، یہ کس طرح منافق ہوسکتا ہے۔ حالانکہ ایمان کسی ایک عمل کا نام نہیں بلکہ مجموعۂ اعمال کا نام ایمان ہے۔ مگر تم ایک بات دیکھتے ہو اور کہتے ہو چونکہ وہ نمازیں پڑھتا ہے یا چونکہ وہ سچ بولتا ہے اس لئے وہ منافق نہیں ہوسکتا حالانکہ اول تو تمہیں کیا پتہ وہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔ دوسرے بعض ہوشیار لوگ ہوتے ہیں جو کئی موقعوں پر سچ بول کر اپنی صداقت کا لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں اور پھر در پردہ فتنہ وفساد بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ سچ اِس لئے نہیں بولتے کہ اُنہیں سچ سے محبت ہوتی ہے بلکہ اس لئے سچ بولتے ہیں کہ ان کے اَور جھوٹوں پر پردہ پڑا رہے۔ تو ایمان اس بات کا نام نہیں کہ نمازیں پڑھ لیں یا روزے رکھ لئے یا حج کرلیا یا زکوٰۃ دے دی یا سچ بول لیا بلکہ چاروں جہت سے اپنے ایمان کے محل کو

ہر قسم کے رخنوں سے محفوظ رکھنے کا نام ایمان ہے۔ بے شک مؤمنوں میں بھی بعض کمزوریاں پائی جاتی ہیں مگر وہ ان کی نیکیوں کے مقابلہ میں نہایت قلیل ہوتی ہیں اور ان کے صدق کے اعمال بہت زیادہ ہوتے ہیں لیکن منافق اگر چندے بھی دے گا تو منافقانہ طور پر اور اگر نمازیں بھی پڑھے گا تو منافقانہ طور پر جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝[8] کہ ان نماز پڑھنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جو حقیقتِ نماز سے غافل رہتے ہیں اور صرف دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں۔ اب اِس جگہ یہ مراد نہیں کہ وہ نماز چھوڑ دیتے ہیں بلکہ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ کہہ کر بتا دیا کہ ہماری یہ مراد ہے کہ وہ دِکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ یعنی اُن کا نمازوں سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے بلکہ یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگ اُنہیں نمازی سمجھیں اور اُن کی شرارتوں پر پردہ پڑا رہے۔ تم بیشک بعض دفعہ یہ سمجھ لیتے ہو کہ یہ تو بڑی لمبی نمازیں پڑھنے والے ہیں یہ منافق کس طرح ہو سکتے ہیں مگر ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ بے شک یہ نمازیں پڑھتے ہیں مگر ان نمازوں کا اُن کے دلوں پر کوئی اثر نہیں۔ یہ محض دکھاوے کی نمازیں ہیں اور غفلت سے مراد بھی نماز کو چھوڑ دینا نہیں بلکہ حقیقت نماز سے عاری ہو کر نماز پڑھنا ہے۔ یہی حال چندے کا ہے۔ بے شک چندہ دینا ایمان کی ایک علامت ہے۔ مگر سورۃ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض لوگ چندے دیتے ہیں مگر ریاء کے لئے اور وہ چندہ دینے کے باوجود منافق ہوتے ہیں۔ اگر چندہ کا دینا ہی ایمان ہوتا، اگر نمازیں پڑھنا ہی انسانی ایمان کی علامت ہوتی تو قرآن کیوں کہتا کہ بعض نمازیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور بعض چندہ دینے کے باوجود منافق ہوتے ہیں۔ صاف معلوم ہؤا کہ بعض چندہ دینے والے بھی منافق ہوتے ہیں اور بعض نمازیں پڑھنے والے بھی منافق ہوتے ہیں۔ چندے دینے والے بھی منافق ہوتے ہیں جو رِیاء کے لئے چندہ دیتے ہیں اور نمازیں پڑھنے والے وہ منافق ہوتے ہیں جو کسی دُنیوی مفاد یا عزت و مرتبت کے حصول کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں۔ میں نے کئی ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہیں خفا ہو کر اگر ذرا ڈانٹا جائے تو وہ باقاعدگی سے نمازیں پڑھنے لگ جائیں گے، زیادہ چندے دینے شروع کر دیں گے اور یوں معلوم ہوگا کہ وہ بڑے مخلص ہیں مگر جب دیکھیں گے کہ اب

ہماری طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی ہے تو پھر اپنی اصلی حالت پر آ جائیں گے۔ غرض منافقوں کی کئی اقسام ہیں مگر افسوس ہے کہ ہماری جماعت کے دوست ان اقسام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اسی لئے بعض دفعہ دھوکا کھا جاتے اور منافق کو پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کی ایک قسم وہ ہے جن کے دل میں کبھی ایمان نہیں آتا وہ کسی ڈر یا لالچ کے اثر کے ماتحت ایک مذہب میں داخل ہو جاتے ہیں ورنہ ایمان ایک دن بھی ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوتا۔ مثلاً فرض کرو کسی کے تمام رشتے دار احمدی ہو گئے ہیں اور صرف اکیلا وہی غیر احمدی رہ گیا ہے یا کوئی گاؤں ہے وہاں سب کے سب احمدی ہو گئے ہیں اور صرف ایک یا دو آدمی علیحدہ ہیں۔ اب جس خاندان کے تمام افراد احمدی ہو چکے ہیں، صرف ایک ان سے علیحدہ ہے وہ دل میں خیال کرتا ہے کہ اگر میں علیحدہ رہا تو کیا فائدہ میرے تمام رشتے دار مجھے بُرا بھلا کہیں گے اور ہر وقت لڑائی جھگڑا رہے گا، آؤ اوپر سے احمدی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ ڈر کر احمدی ہو جاتا ہے ورنہ ایمان اُس کے اندر نہیں ہوتا۔ یا دیکھتا ہے بیوی بھی اِدھر چلی گئی، باپ بھی اِدھر چلا گیا، بچے بھی اِدھر چلے گئے، اب میں اکیلا ایک طرف کیا اچھا لگتا ہوں اور چونکہ منافق دل کا کمزور ہوتا ہے اور وہ مقابلہ کی قوت اپنے اندر نہیں رکھتا اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ بجائے مخالفت کے یہی بہتر ہے کہ میں بھی اوپر سے احمدیت میں شامل ہو جاؤں اور دل میں جو چاہے عقیدہ رکھوں۔ یا بعض دفعہ مثلاً احمدیت کا ایسا غلبہ ہوا کہ گاؤں کا گاؤں احمدی ہو گیا۔ اب یہ سمجھتا ہے گاؤں میں مجھ اکیلے کی کیا حیثیت ہوگی اور مجھے ضرورت کیا ہے کہ میں خواہ مخواہ سب سے لڑائی کرتا پھروں چنانچہ وہ اِس ڈر کے مارے احمدیت قبول کر لیتا ہے۔ مگر اندر سے وہ ویسا ہی بے ایمان ہوتا ہے جیسے احمدیت میں داخل ہونے سے پہلے تھا۔ یا بعض دفعہ لالچ کے ماتحت بھی ایک انسان دوسرا مذہب اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً کوئی امیر احمدی زیادہ پُر جوش ہوا اور اُس نے چاہا کہ وہ اپنے تمام نوکر احمدی ہی رکھے۔ اس پر ایک مخالف کو جو بھُوکا مر رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی احمدی کو نوکر رکھنا چاہتا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ جھٹ مرکز میں بیعت کی ایک چِٹھی لکھ دیتا ہے اور جب ہماری طرف سے اُسے جواب جاتا ہے تو وہ اُس خط کو سنبھال کر رکھ لیتا ہے اور ہمیں کہتا ہے احمدیت کی وجہ سے لوگوں نے مجھے سخت تنگ کرنا شروع

کر دیا ہے پہلے میرا اچھا گزارہ تھا مگر احمدی ہو جانے کی وجہ سے کاروبار کو سخت نقصان پہنچا ہے اور میں بھوکا مر رہا ہوں حالانکہ اُس کا گزارہ پہلے بھی ویسا ہی ہوتا ہے اور پہلے بھی وہ بھُوکا ہی مر رہا ہوتا ہے مگر ہمیں دھوکا دینے کے لئے کہہ دیتا ہے کہ پہلے میرا بڑا اچھا گزارہ تھا مگر اب قبولِ احمدیت کی وجہ سے بھُوکا مرنے لگا ہوں میرے لئے کسی نوکری کا انتظام کر دیں۔ ہم اُسے لکھتے ہیں کہ ہمارے ذہن میں تو اِس وقت کوئی جگہ نہیں اگر کوئی جگہ نکلی تو آپ کا خیال رکھا جائے گا۔ اس پر وہ لکھتا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ فلاں احمدی اپنے ہاں ایک نوکر رکھنا چاہتا ہے آپ اُسے سفارشی چٹھی لکھ دیں اور میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کے دھوکا میں آجاتے اور اس احمدی کے پاس اس کی سفارش کر دیتے ہیں اور وہ اسے ملازم رکھ لیتا ہے حالانکہ دل میں وہ پکا غیر احمدی ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایک طبقہ ایسا تھا جو قبیلے کے ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی وجہ سے اسلام قبول کر لیتا۔ مثلاً یہی لالچ ہوا کہ اسلام ترقی کر رہا ہے اگر ہم اس مذہب میں شامل ہو گئے تو ہمیں عزت مل جائے گی۔ یا یہ دیکھا کہ اپنے خاندان کا کوئی امیر آدمی جو پہلے ان سے حُسنِ سلوک کیا کرتا تھا مسلمان ہو گیا ہے تو وہ بھی مسلمان ہو گئے تا وہ حُسنِ سلوک کو بند نہ کر دے۔ تو ڈر اور لالچ دونوں کی وجہ سے لوگ منافق بن جاتے ہیں لیکن یہ ایسا طبقہ ہے جس کے اندر ایمان ہوتا ہی نہیں۔ وہ داخل ہوتا ہے خوف یا لالچ کی وجہ سے ورنہ اس کے دل میں کفر ہوتا ہے وہ کفر کی حالت میں پیدا ہوتا کفر کی حالت میں ہی اسلام میں داخل ہوتا اور کفر کی حالت میں ہی مر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اسی طبقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝** [9] کہ اے ہمارے رسول! کچھ لوگ تیرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں ہم خدا اور یومِ آخرت پر ایمان لائے اور خدا کا شکر ہے کہ ہمیں ایمان نصیب ہو گیا اور سمجھ آگئی کہ سچا راستہ کونسا ہے۔ فرماتا ہے وہ دعوے تو یہ کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ **وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ** ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے وہ صرف لالچ یا خوف کی وجہ سے آگئے ہیں اس کے علاوہ ان کے آنے کی اور کوئی غرض نہیں۔ تو یہ منافق طبقہ آتا ہی اسی وجہ سے ہے کہ یا اسے کسی چیز کی لالچ ہوتی ہے یا کسی چیز کا خوف ہوتا ہے۔ اگر چندے دے گا تو ڈر سے یا

لالچ سے، اگر نمازیں پڑھے گا تو بھی ڈر سے یا لالچ سے۔فرض کرو اسے کسی احمدی کے پاس بیس روپے کی ملازمت مل گئی ہے تو اب اگر یہ سَوا یا ڈیڑھ روپیہ چندہ دے دیتا ہے تو دل میں یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ پھر بھی میرے پاس ساڑھے اٹھارہ یا پونے انیس روپے تو بچ گئے۔پس وہ چندہ اس لئے نہیں دیتا کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے بلکہ اس لئے دیتا ہے کہ اسے اٹھارہ یا اُنیس روپے تو مل رہے ہیں۔گویا وہ احمدیت میں داخل ہوکر کوئی دین کی خدمت نہیں کرتا بلکہ اٹھارہ یا انیس روپے کماتا ہے۔جیسے زمیندار جب زمین میں بیج ڈالتا ہے تو اس سے کئی گُنا فصل کاٹتا ہے اسی طرح وہ روپیہ یا سوا روپیہ چندہ دیتا اور ۱۸ یا ۱۹ روپے خود وصول کرتا ہے۔پس وہ سمجھتا ہے کہ یہ چندہ دینا میرے لئے کوئی گراں نہیں کیونکہ اگر میں چندہ نہیں دوں گا تو مجھے ملازمت سے الگ کر دیا جائیگا۔اسی طرح منافق بعض دفعہ ڈر کی وجہ سے نماز پڑھتا۔یا روزے رکھتا یا حج کرتا یا زکوٰۃ دیتا ہے۔مثلاً فرض کرو وہ کسی کا نوکر نہیں بلکہ آزاد ہے لیکن اسکے تمام رشتے دار احمدی ہو چکے ہیں تو اب اگر وہ نمازیں نہیں پڑھتا یا روزے نہیں رکھتا تو سمجھتا ہے کہ یہ میری شکائت کریں گے، اور کہیں گے بے دین ہو گیا۔پس وہ ان کے ڈر کی وجہ سے نمازیں بھی پڑھ لیتا ہے اور روزے بھی رکھ لیتا ہے تا اس کی کمزور حالت پر پردہ پڑا رہے۔اسی طرح وہ چندے دیتا ہے تا اس کے دوسرے بھائی بند جوش میں نہ آئیں اور وہ یہ نہ کہیں کہ یہ ایماندار نہیں مگر میں یہ اسی شخص کی نسبت کہتا ہوں جس کے اندر اخلاص نہیں ہوتا۔بعض لوگ یوں مخلص ہوتے ہیں۔مگر کسی سُستی کی وجہ سے چندہ نہیں دیتے۔ان لوگوں کا بیان نہیں ہے کیونکہ میں ان لوگوں کو منافق نہیں سمجھتا۔جیسے ایک گزشتہ خطبہ میں مَیں نے مثال دی تھی کہ ایک جگہ جہاں بعض لوگ چندے میں سُست تھے ہم نے تحریک کی کہ بجائے مردوں کو کہنے کے اُن کی عورتوں سے جا کر کہو کہ وہ اپنے مردوں کو چندہ دینے کے لئے آمادہ کریں۔چنانچہ ایک عورت کو جب ایسی تحریک کی گئی تو اُس کے بعد ایک دن جب اس کا خاوند گھر میں تنخواہ لایا تو وہ کہنے لگی میں یوں روپیہ نہیں لیتی یہ حرام کا روپیہ ہے۔وہ کہنے لگا حرام کا روپیہ کس طرح ہو گیا میں صبح سے شام تک کام کرتا ہوں پھر کہیں مہینے کے بعد جا کر روپیہ ملتا ہے یہ حرام کیونکر ہؤا؟ وہ کہنے لگی جب تک خدا کا حق اس میں سے ادا نہیں کرو گے میں اسے استعمال نہیں کروں گی اگر چاہتے ہو کہ میں

گھر کے اخراجات کے لئے اس روپیہ کو استعمال کروں تو پہلے چندہ دے کر آؤ مجھے رسید دکھاؤ۔ چنانچہ وہ گیا اور چندہ دے آیا۔ اُس کے بعد اس کی ایسی عادت ہوگئی کہ وہ تنخواہ گھر میں اُس وقت تک نہ لاتا جب تک کہ چندہ ادا نہ کر لیتا۔ تو یہ منافقت کی علامت نہیں کمزوری کی علامت ہے۔ ایسے آدمی کو کوئی دوسرا نصیحت کرے گا تو وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ میری مراد اِس جگہ منافق سے ایسے شخص سے ہے جو دل سے خدا تعالیٰ کی راہ میں روپیہ خرچ کرنا پسند نہیں کرتا وہ سست نہیں ہے بلکہ دل میں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام کے لئے چندہ دینا بے فائدہ ہے۔ پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے اُس کو میں منافق کہتا ہوں ورنہ کمزور ہونا اَور چیز ہے آخر سارے مؤمن ایک درجہ کے تو نہیں ہو سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کم سے کم حصہ وصیت کا 1/10 قرار دیا ہے اب جو شخص 1/10 حصہ کی وصیت کرتا ہے ہم اُسے منافق نہیں کہتے۔ ہم سمجھتے ہیں کسی کا کم ایمان ہے اور کسی کا زیادہ۔ جس کے اندر تھوڑا ایمان ہے اس نے دسویں حصہ کی وصیت کر دی اور جس کے اندر زیادہ ایمان ہے اُس نے زیادہ کی وصیت کر دی۔ تو جس کو میں منافق کہتا ہوں وہ تو وہی شخص ہے جو دل سے چندہ دینا ناپسند کرتا اور جس مذہب میں بھی وہ شامل ہے اُس کے لئے روپیہ خرچ کرنے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ میرا اِن الفاظ کے کہنے سے یہ مطلب ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ منافق صرف سچے مذہب میں پائے جائیں بلکہ ایک ہندو بھی منافق ہوسکتا ہے، ایک سکھ بھی منافق ہوسکتا ہے اور ایک عیسائی بھی منافق ہو سکتا ہے۔ ہندو منافق وہ ہوگا جو ہندوؤں سے غداری کرے، سکھ منافق وہ ہوگا جو سکھوں سے منافقت کرے اور عیسائی منافق وہ ہوگا جو عیسائیوں سے غداری کرے۔ ہاں جو سچے دین سے منافقت کرے گا اُس سے خدا بھی ناراض ہوگا اور جو دوسروں سے منافقت کرے گا اُسے اس منافقت کا صرف دُنیوی نقصان ہوگا اور یوں اُس کے اخلاق پر بھی بُرا اثر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی صرف اس کے اتنے فعل سے اسے نہیں ہوسکتی کیونکہ اُس کا امتحان اصولی سچائیوں کی بناء پر ہوگا نہ کہ تفصیلی احکام کی بناء پر۔ دوسری قسم کے منافق قرآن کریم سے وہ معلوم ہوتے ہیں جو اسلام کو سچا سمجھ کر اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور انہیں ابتداء میں یہی یقین ہوتا ہے کہ یہ مذہب سچا ہے مگر بعد میں ان کے دلوں میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم کے منافق جو میں نے بتائے ہیں

ہماری جماعت کے بعض لوگ غلطی سے صرف انہی کو منافق سمجھتے ہیں کسی اَور کو نہیں اِسی لئے جب کسی کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ منافق ہے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں اُس نے تو فلاں وقت اتنی قربانی کی تھی وہ منافق کس طرح ہوسکتا ہے مطلب ان کا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ اُس نے فلاں وقت قربانی کی اس لئے وہ منافق نہیں حالانکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قسم منافقوں کی ایسی بھی ہے جو ایمان اور اخلاص سے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں، سلسلہ کے لئے مختلف رنگوں میں قربانیاں بھی کرتے ہیں مگر پھر گر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان منافقوں کا ذکر سورۃ توبہ میں کرتا ہے۔ فرماتا ہے لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ [1] فرماتا ہے۔ تم ہمارے سامنے عُذر مت کرو۔ قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ہم تصدیق کرتے ہیں کہ پہلے تم بھی مؤمن تھے مگر کچھ عرصہ کے بعد بعض رنجشوں، بدگمانیوں اور کمزوریٔ اعمال کی وجہ سے تمہارے دل پر زنگ لگتے لگتے آخر ایمان بالکل جاتا رہا اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ اب تمہارے دل میں کوئی ایمان نہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ایمان تم یقیناً لائے تھے اور جس وقت تم خدا تعالیٰ کے سلسلہ میں داخل ہوئے تھے اخلاص اور محبت سے داخل ہوئے تھے اور اسی ایمان کے باعث تم نے نمازیں بھی پڑھیں، روزے بھی رکھے، چندے بھی دیئے، زکوٰۃ بھی دی، حج بھی کیا، قربانیاں بھی کیں، یہ ٹھیک بات ہے۔ ایمان جو تم لائے تھے ایمان لانے کے بعد انسان ایسا ہی کیا کرتا ہے مگر کسی وجہ سے (یہاں وجہ نہیں بتائی وہ وجوہات اَور جگہ بیان ہیں) ایمان لانے کے کچھ عرصہ بعد تم میں کفر پیدا ہونا شروع ہوا اور ہوتے ہوتے تم منافق ہو گئے۔ اگر تم اُسی وقت جب سے تمہارے دل میں کفر پیدا ہونا شروع ہوا تھا کہہ دیتے کہ ہم تم میں شامل نہیں رہنا چاہتے ہمیں اب شبہات پیدا ہوگئے ہیں مگر چونکہ تم نے کفر کو ظاہر نہیں کیا تم نے اپنے دلوں میں کہا کہ اب جس فرقہ میں ہم مل گئے ہیں اسی میں ملے رہیں اگر ہم علیحدہ ہوئے تو ہماری سُبکی اور ذلّت ہوگی اور تم ایک طرف تو یہ کہتے رہے کہ ہم جماعت میں فتنہ نہیں ڈالنا چاہتے اور دوسری طرف جب کوئی ملتا تو اُسے کہتے کہ جماعت میں یہ یہ خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں، اس کے افراد نہایت گندے ہو گئے ہیں، ان کے اخلاق نہایت خراب ہو گئے ہیں، روحانیت اور ایمان

ان سے بالکل جاتا رہا ہے اس لئے اب ہمارا حق ہوگیا ہے کہ ہم تمہیں منافق کہیں۔ تو یہ دوسری قسم منافقوں کی ہے یہ ایسے احمق ہوتے ہیں کہ ایک طرف اپنی مجالس میں جماعت اور نظام کی خرابیاں بیان کرتے ہیں اور دوسری طرف جب کوئی مؤمن ان سے ملے اور کہے کہ آپ خلیفۃ المسیح تک بات کیوں نہیں پہنچاتے تو وہ کہہ دیتے ہیں ہم خواہ مخواہ بات بڑھانا نہیں چاہتے۔

اِن کی مثال بالکل اُس بے وقوف کی سی ہوتی ہے جو ایک قتل کے مقدمہ کے سلسلہ میں ایک دفعہ کسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا تو مجسٹریٹ نے مقدمہ سُننے کے بعد اسے پھانسی کی سزا کا حکم دے دیا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ میرے متعلق کیا فیصلہ ہوا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ تجھے پھانسی کی سزا کا حکم ملا ہے۔ یہ سن کر وہ بولا کہ اس سے تو موت کی سزا اچھی تھی۔ اِسی طرح یہ لوگ کرتے ہیں ایک طرف تو فتنہ کرتے جاتے ہیں دوسری طرف فتنہ کے خلاف اظہارِ نفرت بھی کرتے جاتے ہیں حالانکہ جس رنگ میں وہ بُرائیاں بیان کرتے ہیں اسی کا نام تو فتنہ ہے۔ مگر جب ان سے کہا جائے کہ خلیفۃ المسیح سے ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے تو بڑے مصلح بن جائیں گے اور کہیں گے ہم کوئی فتنہ پیدا کرنا نہیں چاہتے اگر شکایت کی تو وہ کیا کہیں گے۔ ہماری جماعت میں بھی ایسے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں حالانکہ ان کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ فتنہ پیدا کرنا ہوتا ہے اور اندر ہی اندر وہ اس لئے شرارتیں کرتے رہتے ہیں کہ اگر عَلَی الْاِعْلَان غیروں سے مل گئے تو وہ کہیں گے کہ اب جھک مار کر واپس آیا ہے پہلے خیال نہ آیا تھا کہ ایسے لوگوں میں نہیں ملنا چاہئے۔ پس وہ خدا کے لئے نہیں بلکہ اپنی عزت کے خیال سے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں یا اس وجہ سے شامل رہتے ہیں کہ انہیں ایک سوسائٹی ملی ہوئی ہوتی ہے اور ان کے دوستوں کا ایک حلقہ ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم علیحدہ ہوئے تو یہ سوسائٹی ہمارے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جب انسان پہلوں سے قطع تعلق کر کے آتا ہے تو اسے نئی جماعت میں نئی سوسائٹی مل جاتی ہے، نئے محبت کرنے والے مل جاتے ہیں، نئے پیار کرنے والے مل جاتے ہیں اور چونکہ ان کا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ظاہری طور پر ملے رہیں اور اندرونی طور پر شرارتیں کرتے رہیں۔ پہلوں سے اگر انہوں نے قطع تعلق کیا تھا تو اس لئے کہ اُس وقت ان میں ایمان کی کشش تھی اور اب اگر یہ قطع تعلق کرنے سے ڈرتے ہیں تو اس لئے کہ ان میں نِفاق

ہوتا ہے اور نِفاق میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ جس شخص کے اندر ایمان پیدا ہو جاتا ہے وہ اپنے بھائیوں کو چھوڑ دیتا ہے، اپنے عزیزوں کو چھوڑ دیتا ہے، اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ دیتا ہے، اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیتا ہے اور اس امر کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ اس قطع تعلق کا اس پر کیا اثر پڑے گا۔ مگر جس کے اندر نِفاق پیدا ہو جاتا ہے وہ اپنے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کو نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ وہ گناہ کی حالت میں ہوتا ہے۔

میں نے یہ بات اس لئے بیان کی ہے تا کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ انہوں نے پہلے بھی تو اپنے قرابتیوں اور دوستوں کو چھوڑا تھا پھر اب یہ کیوں چھوڑ نہیں سکتے۔ میں نے بتایا ہے کہ پہلے انہوں نے اس لئے چھوڑا تھا کہ ان کے اندر ایمان کی طاقت پائی جاتی تھی مگر اب جو ان کے اندر تغیر پیدا ہؤا ہے وہ نِفاق کا تغیر ہے۔

پس چونکہ اب ان کے اندر ایمان والی حالت نہیں ہوتی اس لئے نئے دوست، نئی برادری اور نئے رشتہ داران کو چھوڑنے بہت مشکل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اِسی طرح رہنے دو۔ اوپر سے ہم ملے رہتے ہیں اور اندر سے منصوبے کرتے رہیں گے۔ تو فرماتا ہے۔ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔ تم عذر مت کرو بے شک کسی وقت تم مؤمن تھے مگر اب تمہیں اسلام میں سَو سَو کیڑے نظر آتے ہیں اور پہلے جن باتوں کو خوبیاں سمجھتے تھے اُنہی کو اب عیب قرار دینے لگ گئے ہو۔ میں اس تغیر کی جو ایمان لانے کے بعد بعض لوگوں میں پیدا ہوتا ہے ایک وجہ بھی بتا دیتا ہوں اور گو اَور بھی اِس کی وجوہ ہیں مگر جو سب سے اقرب وجہ ہے اور جو میرے اس مضمون کو بالکل واضح کر دیتی ہے میں وہ بیان کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسی سورۃ توبہ میں فرماتا ہے۔ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ۔[11] اس کے ایک ظاہری معنی یہ بھی ہیں کہ چونکہ سفر لمبا تھا اس لئے تم جہاد میں جانے سے رُک گئے مگر اس کے باطنی معنے بھی ہیں اور وہ یہ کہ جو لوگ ایمان لائے جب اس قسم کی پیشگوئیاں سنتے ہیں کہ عنقریب اسلام تمام دنیا کو فتح کر لے گا، سب بادشاہتیں مغلوب ہو جائیں گی اور بڑے بڑے بادشاہ حلقہ بگوشِ اسلام بن جائیں گے، ہر طرف اسلامی پھریرا لہرائے گا، کفر پر موت آ جائیگی اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہنے والے مسلمان بڑی بڑی عزتوں کے

مالک بن جائیں گے تو چونکہ طبیعت میں حرص ہوتی ہے اِس لئے ان پیشگوئیوں کو تسلیم کر کے اور یہ دیکھ کر کہ بعض پیشگوئیاں تو پوری بھی ہو چکی ہیں کیا تعجب کہ دوسری پیشگوئیاں بھی ابھی پوری ہو جائیں اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ مذہب میں داخل کامل ایمان کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ لالچ کی وجہ سے ہوتے ہیں اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہمیں بڑے بڑے عُہدے مل جائیں گے اور خبر نہیں ہم کیا سے کیا ہو جائیں گے اس لئے ان کے ایمان کے ساتھ مخفی طور پر دل کا لالچ اور کبر اور غرور بھی شامل ہوتا ہے۔ پس ان کا ایمان مخلوط ہوتا ہے نفسانی حرص اور لالچ سے یہ پیشگوئیاں سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جب ہم نے اَور پیشگوئیاں اپنی آنکھوں کے سامنے پوری ہوتی دیکھی ہیں تو یہ پیشگوئیاں بھی بہر حال پوری ہوں گی۔ پھر جب وہ انبیاء اور ان کے خلفاء کو یہ کہتے سنتے ہیں کہ بس عنقریب ترقی ہو جائے گی، بڑی بڑی حکومتیں اسلام میں آملیں گی اور قرآن میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ وہ ساعت قریب آ گئی، بس تم اسے آئی سمجھو تو یہ منافق بھی آ ملتے ہیں اور کہتے ہیں جب آئی سمجھو تو ہم بھی اپنا حصہ لینے کے لئے آ گئے ہیں۔ پھر چھ مہینے، سال، دو سال، چار سال، پانچ سال، دس سال، بیس سال گزرتے ہیں اور وہ دیکھتے ہیں کہ حکومت تو کوئی آئی نہیں بس آئے روز یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ قربانی کرو قربانی کرو دین خطرے میں ہے اس کے لئے اپنی جانیں اور اپنے اموال قربان کر دو۔ تو ان کے قدم ڈگمگانے شروع ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ وعدے کہاں گئے جو فتوحات اور ترقیات کے متعلق ہم سے کئے گئے تھے۔ پہلے تو انہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ ادھر اسلام قبول کیا اور ادھر ہمیں افغانستان یا ایران کی حکومت مل جائے گی۔ یا اگر نہ ہوا تو کسی مہاجن کا خزانہ ضرور مل جائے گا اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو کوئی عُہدہ تو ہاتھ سے جاتا ہی نہیں۔ ان امیدوں اور خیالوں کی وجہ سے وہ قربانیاں بھی کرتے ہیں، وہ مال بھی دیتے ہیں، وہ وقت بھی خرچ کرتے ہیں، وہ جانی قربانیاں بھی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیا ہوا آج اگر ہم نے دس روپے دیئے تو کل دس ہزار مل بھی جائیں گے۔ مگر جب دو سال، چار سال، دس سال، پندرہ سال، بیس سال گزر جاتے ہیں اور وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی حکومت نہیں ملی بلکہ جو کچھ پہلے ہمارے پاس تھا وہ بھی خرچ ہو گیا تو کہتے ہیں ہمارے ساتھ مکر اور فریب کیا گیا۔ جو مؤمن ہوتا ہے وہ تو یہ دیکھتا ہے

کہ کل جو اسلام کی طاقت تھی آج اس سے کئی گُنا بڑھ کر ہے۔ پہلے اسلام کمزور تھا پھر طاقتور ہو گیا اور اب ہر روز اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پس اس کا ایمان اسلام کی طاقت بڑھتے دیکھ کر تازہ ہو جاتا اور اس کا دل مسرت و انبساط سے بھر جاتا ہے اور وہ کہتا ہے خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اسلام کو ہر روز غلبہ عطا فرما رہا ہے۔ اسی طرح جو سچے دل سے احمدی ہوتا ہے وہ ہر سال کے خاتمہ پر دسمبر کے مہینہ میں یہی دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے کہ اس سال خدا تعالیٰ کے فضل سے کئی ہزار آدمی اَور احمدی ہو گئے ہیں اور اس طرح اس کا ایمان لحہ بہ لحہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور چونکہ اس نے احمدیت کو احمدیت کی خاطر قبول کیا ہوتا ہے، کسی لالچ یا حرص کے ماتحت قبول نہیں کیا ہوتا اس لئے وہ جب یہ دیکھتا ہے کہ پچھلے سال اتنے احمدی تھے اور اس سال اس سے بھی پانچ دس ہزار زیادہ ہو گئے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ اسلام جیت گیا مگر جو منافق ہوتا ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ پہلے سال میں نے اتنا چندہ دیا۔ دوسرے سال اس سے بڑھ کر دینا پڑا، تیسرے سال اس سے بھی زیادہ دینا پڑا، چوتھے سال اس سے زیادہ یہ حساب کر کے وہ کہتا ہے اوہو! میں تو نقصان اور گھاٹے کی طرف جا رہا ہوں۔ میں نے سمجھا تھا تھیلیوں کے منہ میرے لئے کھل جائیں گے مگر یہاں تو اپنی جیب سے روپے خرچ کرنے پڑے اور پھر بھی کچھ نہ بنا۔ پس منافق اپنی جیب کی طرف دیکھتا ہے اور چونکہ اس میں کمی ہو رہی ہوتی ہے اس لئے اس کا ایمان جاتا رہتا ہے لیکن مؤمن جماعت کی طرف دیکھتا ہے اور چونکہ اُس میں زیادتی ہو رہی ہوتی ہے اِس لئے اُس کا ایمان بڑھتا چلا جاتا ہے اور وہ کہتا ہے فتح تو آ رہی ہے مگر یہ کہتا ہے فتح نہیں آ رہی اور دونوں اپنی اپنی جگہ سچے ہوتے ہیں۔ یہ جب کہتا ہے فتح نہیں آ رہی تو اِس وجہ سے کہتا ہے کہ یہ فتح مال کی زیادتی کو سمجھتا ہے اور چونکہ اس کا مال کم ہو رہا ہوتا ہے اس لئے یہ مایوس ہو جاتا ہے اور کہتا ہے ہم سے جھوٹے وعدے کئے جاتے رہے ہیں لیکن مؤمن فتح اسلام کی ترقی کو سمجھتا ہے اور چونکہ اُس کی ترقی میں ہر لحہ اضافہ ہو رہا ہوتا ہے اس لئے وہ خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ خدا کی باتیں پوری ہو رہی ہیں۔ تو یہ دو مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں جن کے ماتحت مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جو خدا کی رضا اور اپنے ایمان کی سلامتی کے لئے جماعت میں داخل ہوتا ہے وہ تو جماعت کی ترقی کو دیکھ کر یقین کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل

آ رہا ہے مگر وہ جو اپنے نفس کی کسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے الٰہی سلسلہ میں داخل ہوتا ہے۔ وہ پہلے قربانیوں میں شریک رہتا ہے اور دو، چار، پانچ، دس، پندرہ، بیس سال جتنا جتنا ایمان ہوتا ہے اتنا عرصہ چلتا چلا جاتا ہے مگر آخر حوصلہ ہار کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے سب جھوٹ اور فریب ہے تو فرماتا ہے۔ لَوْ کَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا جس کام کے لئے تو کھڑا ہے اس میں کئی آدمی لالچ اور حرص کے خیالات کے ماتحت شامل ہو گئے تھے، اب اگر ان کا مقصود انہیں جلدی حاصل ہو جاتا (عَرَضًا کے معنی مطلب اور فائدہ کے ہیں) یعنی اگر ان کا وہ فائدہ اور مطلب جس کے لئے وہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، سہل الحصول اور بالکل قریب ہوتا وَسَفَرًا قَاصِدًا اور سفر چھوٹا ہوتا کئی سالوں کے بعد اسلام کی ترقی نہ آنیوالی ہوتی لَاتَّبَعُوْکَ تو وہ آخر تک تیرے ساتھ چلتے اور اپنے عہد نبھا دیتے وَلٰکِنْ بَعُدَتْ عَلَیْہِمُ الشُّقَّۃُ لیکن چونکہ سفر لمبا ہے اور ابھی ختم نہیں ہوا اس وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ جھوٹ ہی ہے اور پھر مرتد ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر وہ ظاہر میں بھی مرتد ہو جائیں تو کافر ہو جاتے ہیں اور اگر اندر ملے رہیں تو منافق بن جاتے ہیں۔

منافقوں کی تیسری قسم وہ ہے جن کے اندر ایمان تو ہوتا ہے مگر ساتھ ہی کفر بھی ہوتا ہے اور اس ایمان اور کفر کے اُن پر دَورے آتے رہتے ہیں۔ کبھی ایمان کا دَورہ آ جاتا ہے اور کبھی کفر کا دَورہ آ جاتا ہے یہ عملی منافق ہوتے ہیں۔ انہیں عقائد کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ وہ منافق ہوں گے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیح موعود بھی مانیں گے۔ گویا اُن کا دماغ کہتا ہے کہ عقائد وہی درست ہیں جو اِس جماعت کے ہیں مگر چونکہ اُن کے دل کا لگاؤ اور محبت کم ہو جاتی ہے، اِس وجہ سے اُن پر کفر اور ایمان کا دَورہ آتا رہتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں یہ جماعت بہت بُری ہے اس میں شامل رہنے سے کیا فائدہ۔ اور کبھی کہتے ہیں اچھے لوگ ہیں، عقائد اِن کے خوب ہیں صرف فلاں فلاں باتیں اگر اِن میں نہ پائی جائیں تو پھر ٹھیک ہے۔ ایسے منافقوں کا ذکر اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ میں ان الفاظ میں فرماتا ہے کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِیْہِ ق وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ قَامُوْا [12] چونکہ ان کے دل میں کفر اور ایمان ملا ہوا ہوتا ہے اِس لئے گو یہ خدا کو مانتے، اُس کے رسول کو مانتے اور باقی ارکانِ اسلام کو بھی درست تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا

ایمان سرحد پر ہوتا ہے کبھی اُنہیں ایسا دھکّا لگتا ہے کہ وہ کفر کی طرف جا پڑتے ہیں اور کبھی ایسا دھکّا لگتا ہے کہ ایمان کی طرف آ جاتے ہیں۔ چونکہ اُن کا ایمان صرف ذہنی ایمان رہ جاتا ہے محبت کا ایمان جاتا رہتا ہے اِس لئے اُن کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اصل خوبی محبت کے ایمان میں ہی ہے ذہنی ایمان میں نہیں۔

محبت کی مثال میں ہی بیان کیا کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہ تھا۔ ایک دن وہ اپنے دربار میں ایک نہایت قیمتی ٹوپی لایا اور کہنے لگا آج ہم یہ ٹوپی اُس بچے کو دیں گے جو سب سے زیادہ خوبصورت ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ ٹوپی اُس نے اپنے ایک حبشی غلام کو دی اور کہا جو لڑکا سب سے زیادہ خوبصورت ہو اُس کے سر پر رکھ دو۔ اب ان لڑکوں میں حبشی کا اپنا لڑکا بھی تھا اور امراء اور وزراء کے بھی لڑکے تھے۔ حبشیوں کی شکل یوں بھی خراب ہوتی ہے مگر اُس کا بچہ تو بہت ہی غلیظ اور گندہ تھا، ناک بہہ رہا تھا، آنکھوں میں گِد لگی ہوئی تھی اور مکھیاں اس پر بھنبھنا رہی تھیں وہ حبشی نہایت بے تکلفی کے ساتھ اس ٹوپی کو اٹھائے سیدھا اپنے لڑکے کی طرف گیا اور اُس کے سر پر ٹوپی رکھ دی۔ یہ دیکھ کر سارے دربار میں قہقہہ لگا اور خوب اس سے ہنسی کی گئی اور کہا گیا کیا سب بچوں سے زیادہ خوبصورت تجھے اپنا بچہ ہی نظر آیا ہے؟ وہ کہنے لگا۔ بادشاہ سلامت! آپ نے میرے ہاتھ میں ٹوپی دی تھی اور مجھے تو سب سے زیادہ یہی خوبصورت نظر آتا ہے۔ تو جہاں محبت ہوتی ہے وہاں عیوب بھی خوبیاں دکھائی دیتے ہیں اور جہاں نفرت ہوتی ہے وہاں عیوب تو الگ رہے خوبیاں بھی عیب بن کر نظر آنے لگ جاتی ہیں۔

اب قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انسان بے عیب نہیں حتّٰی کہ بشریت کی کمزوریاں انبیاء میں بھی پائی جاتی ہیں۔ پس جب کوئی بھی بے عیب نہیں تو کیا یہ جائز ہوگا کہ سوائے خدا کے ہر ایک کی عیب چینی اور نکتہ چینی کی جائے۔ اگر نہیں تو خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعتوں پر نکتہ چینی کرنا بھی کسی صورت میں جائز نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی کے دل میں محبت والا ایمان نہیں ہوگا تو اسے خوبیاں بھی عیب نظر آئیں گے لیکن جب کسی کا ایمان کامل ہوگا تو معمولی عیوب کو دیکھ کر سمجھے گا کہ یہ لوگ قابلِ تحسین ہیں نہ کہ لائق ملامت کیونکہ یہ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان عیوب سے پاک ہو جائیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے ایک استاد بچے کو

پڑھاتا ہے تو بچہ کئی دفعہ غلطیاں بھی کرتا ہے مگر وہ اسے سمجھاتا ہے اور بار بار سمجھاتا ہے اور جب سبق کا زیادہ حصہ وہ یاد کر لیتا ہے اور ایک آدھ بات اُسے یاد نہیں رہتی تو اس پر خوش ہوتا ہے ناراض نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے بچہ کوشش کر رہا ہے کہ مجھے سبق یاد ہو جائے اگر ایک آدھ اس سے غلطی ہو گئی ہے تو اس کی وجہ سے اس کی محنت کو باطل اور رائیگاں نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہی حال خدمتِ دین کا ہے اگر باوجود نیکی اور تقویٰ کے میدان میں آگے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنے کے بعض سے غلطیاں ہو جاتی ہیں تو کامل مؤمن تو سمجھتا ہے کیا ہوُا جب یہ چوبیس گھنٹے خدمتِ دین میں لگے رہتے ہیں تو ایک آدھ غلطی اگر ان سے سرزد ہو جاتی ہے تو اِس سے کون سی قیامت آجاتی ہے خصوصاً اس صورت میں جب کہ ان کی یہ خواہش بھی ہے کہ اتنی غلطی بھی آئندہ ہم سے سرزد نہ ہو۔ آخر ساری جماعت نمازیں پڑھتی ہے، روزے رکھتی ہے، زکوٰۃ دیتی ہے، چندے دیتی ہے، تبلیغ کرتی ہے، غریبوں کی مدد کرتی ہے، اتنی نیکیوں کے ہوتے ہوئے اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو وہ سمجھتا ہے یہ ایسی ہی غلطی ہے جیسے بچہ سے تعلیم حاصل کرنے کے زمانہ میں ہو جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر عقلمند اُستاد ہمیشہ اُس کی حوصلہ افزائی کرتا اور کہتا ہے تُو خوب ہوشیار ہے اور اگر اس لڑکے کا باپ اُسے مل جائے تو اُسے بھی وہ یہی کہتا ہے کہ آپ کا لڑکا بڑا ہونہار ہے یہ نہیں کہتا کہ آپ کا لڑکا بڑا نالائق ہے۔ میں نے اسے سوال دیئے تھے ان میں سے نو اِس نے حل کر لئے مگر ایک حل نہ کر سکا۔ وہ سمجھتا ہے جب اس نے نو سوال حل کر لئے ہیں تو یہی اس کی بڑی ذہانت ہے بقیہ ایک سوال بھی آہستہ آہستہ حل کر لے گا۔ اسی طرح جو مؤمن ہوتا ہے اُسے تو یہ نظر آتا ہے کہ جماعت نیکی اور تقویٰ اور قربانیوں اور دین کی خدمت میں لحظہ بہ لحظہ بڑھتی چلی جارہی ہے اور جو کمزور ہیں وہ بھی اپنی کمزوری کو ناپسند کرتے اور اس بات کے خواہشمند ہیں کہ کسی طرح یہ کمزوریاں ان سے دور ہو جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سپاہی ہیں جو اس کی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ سپاہی کا کام یہ ہے کہ وہ لڑے اگر کوئی دشمن اُسے قتل کر دیتا ہے تو اس میں سپاہی کا کیا قصور ہے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ یہی کام تھا کہ مرتے دَم تک دشمن سے لڑائی کرتا۔ سو جب اس نے مرتے دم تک دشمن سے لڑائی رکھی اور آخر اسی لڑائی میں اپنی جان دے دی تو اب وہ عزت کا مستحق ہو گیا۔ یہ نہیں ہوگا کہ افسر اسے بُرا بھلا کہیں کہ یہ دشمن کے مقابلہ میں مر کیوں گیا؟

اسی طرح مؤمن جب دیکھتا ہے کہ جماعت کے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں، قربانیاں کرتے ہیں، استغفار پڑھتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں اور باوجود اس کے کوئی خطا بھی ان سے سرزد ہو جاتی ہے اور وہ اس خطا کا ازالہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے تو وہ ان خطاؤں کو ایسا ہی سمجھتا ہے جیسے میدانِ جنگ میں لڑنے والا سپاہی بعض دفعہ دشمن کے مقابلہ میں مارا جاتا ہے۔ اب یہ نہیں ہوتا کہ جو سپاہی دشمن سے لڑتا ہوا مارا جائے اُسے فوج والے کوڑے لگانے شروع کر دیں اور کہیں کہ اس نے ہماری ہتک کی بلکہ وہ اس کی عزت کرتے ہیں کیونکہ وہ جو کچھ کر سکتا تھا اُس نے کر دیا۔ اگر دشمن اُس پر وار کرنے میں ایک دفعہ کامیاب ہو گیا ہے تو اِس میں اُس کا کیا قصور ہے۔ اُس کا کام صرف اتنا تھا کہ بچنے کی کوشش کرتا اور دشمن پر غالب آنے کی جدوجہد کرتا۔ جب اُس نے یہ دونوں کام کر لئے تو نتیجہ کا وہ ذمہ دار نہیں۔ اسی طرح جب کوئی قوم رات دن دین کی خدمت میں مشغول رہتی ہے، رات دن بنی نوع انسان کی بہبودی کے کاموں میں مصروف رہتی ہے، رات دن اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے اور اُس کا جلال دنیا میں قائم کرنے کے لئے کوشاں رہتی ہے، تو اگر ان سب کوششوں کے ساتھ کوئی غلطی بھی کسی مؤمن سے ہو جاتی ہے تو وہ جماعت کی جدوجہد اور قربانیوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس کمزوری کو وہ نظر انداز کر دیتا ہے۔ جیسے اگر کوئی بیمار ہو اور لڑائی کی خبر سن کر وہ بیماری کے باوجود چارپائی سے اُٹھ کر میدان میں چلا جائے اور لڑنا شروع کر دے تو چاہے وہ ایک گھنٹہ میں ایک ہی گولی چلائے تب بھی تم سب اُس کی تعریف کرو گے اور کہو گے یہ بیمار تھا مگر پھر بھی اس نے اس موقع سے پیچھے ہٹنا مناسب خیال نہ کیا۔

تو مؤمن نگاہ تو یہ کہتی ہے کہ میرے بھائی میں اگر ایک عیب ہے تو سَو خوبیاں بھی تو ہیں۔ اس ایک کمزوری کے باوجود وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے شیطان سے جنگ کر رہا ہے اور اِس قابل ہے کہ اِسے سراہا جائے اور اِس کی خدمات کی تعریف کی جائے مگر جو منافق ہوتا ہے اُس کا قلبی لگاؤ چونکہ نہیں ہوتا اور محبت کا تعلق اُسے سلسلہ سے نہیں رہتا اِس لئے وہ اِس قسم کی بعض کمزوریوں کو دیکھ کر یہ کہنے لگ جاتا ہے اب پتہ لگا ان میں بھی فلاں فلاں عیب ہیں، ان میں بھی یہ یہ نقص پایا جاتا ہے اور چونکہ اب اس میں کچھ غیریت آنے لگ جاتی ہے اس لئے اب وہ

اپنی جماعت کا ذکر ''ان ان'' کے الفاظ میں کرنے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے ان میں یہ نقص ہے، ان میں وہ عیب ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جماعت کو غلبہ حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے، ترقیات ملنی شروع ہو جاتی ہیں، طاقت حاصل ہو جاتی ہے اور جماعت کی کمزوریاں دب جاتی ہیں ایسی حالت میں منافق بھی ساتھ چل پڑتے ہیں۔ اِس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے جلسوں میں بعض دفعہ جب نعرے لگائے جاتے ہیں تو چونکہ ایک رَو جاری ہوتی ہے اس لئے جب اللہ اکبر کا نعرہ لگے گا تو ایک منافق بھی زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا دے گا مگر جب اپنے گھر میں جائے گا تو چونکہ وہاں وہ رَو نہیں ہوگی اس لئے وہ اپنے دل کو جذباتِ محبت سے بالکل خالی پائے گا۔ مجھے ان منافقین کی مجالس کی باتوں کا علم ہے۔ مجھے معلوم ہے کئی دفعہ ان میں یہ ذکر ہوتا ہے کہ بعض لوگ میری نسبت یہ کہتے ہیں یہ عجیب قسم کا آدمی ہے۔ ہے تو بالکل بُرا مگر جب تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ایسی تقریر کرتا ہے کہ ہمیں بھی اس کی باتیں سچی معلوم ہونے لگتی ہیں مگر جب ہم اپنے گھر میں آکر ان باتوں پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹی ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ **كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا** جب دین اُن پر زور سے حملہ کرتا ہے تو انہیں بھی کچھ روشنی نظر آنے لگ جاتی ہے اور وہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ باتیں جو پیش کی جاتی ہیں سچی ہیں۔ **وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ** ۔مگر جب وہ خدا کے نور اور اس کے خلیفہ سے دور ہو جاتے ہیں تو **قَامُوْا** پھر منافقت اُن میں آجاتی ہے۔ یا اِس کے یہ معنے بھی ہیں کہ ترقی اور آرام کا زمانہ آئے تو ساتھ شامل رہتے ہیں مگر جب قربانیوں کا وقت آجائے تو پیچھے ہٹ جاتے ہیں مگر اُن کے دلوں میں ایک حد تک ایمان ضرور ہوتا ہے۔ انہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے **فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ**[۱۳] ۔ان کے دلوں میں ایمان بھی ہے مگر ساتھ ہی ایک مرض بھی ہے یعنی گو ان کے اندر ایمان پایا جاتا ہے مگر ان کے دل مریض ہیں۔ عربی زبان کے لحاظ سے **فِيْ قُلُوْبِهِمْ** کے یہ معنے بنیں گے کہ یوں ایمان ان کے دلوں میں ہے مگر ایک مرض بھی ہے۔ ایمان کُلّیۃً اُن کے دلوں سے گیا نہیں۔

چوتھی قسم کا منافق وہ ہوتا ہے جو یوں تو پکّا مؤمن ہوتا ہے مگر اس کے اندر یہ کمزوری ہوتی ہے کہ وہ ناواجب دوستی کرتا ہے۔ یوں وہ مؤمن ہوتا ہے پکا مؤمن مگر ناواجب دوستی کے مرض

میں وہ مبتلا ہوتا اور اپنے منافق دوست کو نہیں چھوڑ سکتا بلکہ اس محبت کے جوش میں اُسے اپنے دوست کا عیب بھی نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے اسے عیب نظر آجائے تو وہ اُسے چھوڑ دے مگر اُس کا دل ایسی غلط محبت کا شکار ہو چکا ہوتا ہے جیسے عشق کا جنون بعض لوگوں کو ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے منافق دوست کے عیب کو نہیں دیکھ سکتا بلکہ اُس سے بڑھ کر وہ یہ کرتا ہے کہ اُس کے عیب کو خوبیاں سمجھتا ہے۔ جیسے سورۃ توبہ رکوع ۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴿۴۷﴾ [۱۴] فرماتا ہے اگر یہ منافق لوگ تیرے ساتھ چلے بھی جاتے تو فساد پیدا کرنے کے سِوا اور کیا کرتے ان کا بڑا کارنامہ یہی ہوتا کہ کسی کے آگے کچھ کہہ دیتے اور کسی کے آگے کچھ اور اس طرح ان میں لڑائی اور پھُوٹ ڈال دیتے یا اگر لڑائی میں جاتے تو دشمن کو خبریں پہنچاتے رہتے۔ تو فرمایا اگر منافق نہیں گئے تو اس سے نقصان کیا ہؤا۔ یہ تو اچھا ہؤا کہ نہیں گئے۔ یہ جاتے بھی تو یہی کرتے کہ ایک کی چغلی دوسرے کے پاس اور دوسرے کی چغلی تیسرے کے پاس کرتے۔ ایک کے پاس جاتے اور اُسے کہتے کہ تیری نسبت فلاں شخص یوں کہتا ہے اور اُس کے پاس جا کر کہتے کہ تیری نسبت فلاں یہ کہہ رہا تھا اور اس طرح آپس میں لڑائیاں کرا دیتے پس اچھا ہی ہؤا جو یہ نہیں گئے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ منافق کوئی باہر کے نہیں بلکہ مدینہ کے رہنے والے ہی تھے۔ چنانچہ آیتوں کا مضمون صاف بتاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ سے کچھ لوگ اس جنگ میں شریک نہ ہوئے انہی کا خدا تعالیٰ نے ان آیات میں ذکر کیا ہے اور انہی کو منافق قرار دیا ہے، پس یہ منافق وہی تھے جو مدینہ میں رہتے تھے۔ مسلمانوں کی کمیٹیوں کے ممبر تھے اور محلوں میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ اس کے بعد فرماتا ہے یہ منافق تو ہیں ہی مگر ان کے علاوہ بھی ایک اَور جماعت ہے وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ تم میں ایک جماعت ہے جو تمہاری باتیں اُن تک پہنچاتی ہے۔ جب ذکر ہوتا ہے کہ فلاں شخص منافق ہے تو وہ جھٹ دَوڑ کر اس کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ تم تو اتنے مخلص ہو مگر دیکھو فلاں مجلس میں تمہاری نسبت لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ تم منافق ہو۔ ایسا شخص منافق نہیں ہوتا مگر منافق کی سواری ضرور ہوتا ہے۔

اور منافق اس کے ذریعہ اپنے مقصود کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا جیسا کہ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اَلْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ [۱۵] رکھا ہے کہ منافق بات کرتا ہے اور یہ اس کی بات کو پھیلا دیتا ہے اور اگر مؤمن کوئی بات کریں تو ان کی بات منافقوں تک پہنچا دیتا ہے اور کہتا ہے تم تو بڑے اچھے ہو مگر ان لوگوں کو نہ معلوم کیا ہو گیا ہے کہ وہ خواہ مخواہ تمہیں بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ یہ آپ منافق نہیں ہوتا مگر منافق تک خبریں پہنچائے بغیر بھی نہیں رہتا۔ دوسری بات اس میں یہ پائی جاتی ہے کہ منافقوں کے اعتراضات کو پھیلاتا رہتا ہے۔ منافق کہتا ہے جماعت خراب ہو گئی، اور یہ طوطے کی طرح اس فقرہ کو رٹنا شروع کر دیتا ہے اور جہاں بیٹھتا ہے کہتا ہے جماعت خراب ہو گئی جماعت خراب ہو گئی۔ پس یہ مؤمن تو ہے مگر بے وقوف اور جاہل مؤمن ہے۔ ایسا مؤمن ہے جو منافقوں کا ہتھیار رہے جب اس قسم کی باتیں کرنے کے نتیجہ میں گرفت کی جاتی ہے تو پکڑا یہ بے وقوف مؤمن جاتا ہے جو منافق کی بات طوطے کی طرح رَٹ کر ہر شخص کے آگے بیان کر رہا ہوتا ہے اور منافق دندناتا پھرتا ہے کیونکہ منافق کا یہی کام ہے کہ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ [۱۶] وہ سینہ میں وسوسہ ڈال دیتا اور آپ پیچھے ہٹ جاتا ہے تو یہ چوتھی قسم کا منافق ہے اور گو یہ اصل میں مؤمن ہوتا ہے مگر اس کے اندر نِفاق سے ہمدردی اور منافقوں کی دوستی پائی جاتی ہے۔ اس وجہ سے یہ بالکل ایمان کے کنارے پر کھڑا ہوتا ہے۔ بالکل ممکن ہے یہ مؤمن ہی رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی کوئی ایسا دھکّا لگے کہ خود بھی نِفاق کے گڑھے میں گر جائے اور اگر خود منافق نہ بھی بنے تب بھی بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ منافقوں کی سزا پا لیتا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے لَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ [۱۷] دیکھو ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں بھی آگ چھُو جائے گی۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ وہ جو ظالم نہیں وہ بھی بعض دفعہ ظالم کی دوستی کی وجہ سے جہنم میں چلے جاتے ہیں۔ پس یہ گروہ ایمان کے لحاظ سے منافق نہیں ہوتا مگر منافقوں کی دوستی اِس کا شعار ہوتا ہے اور اِس وجہ سے زمرۂ منافقین میں شمار کیا جاتا ہے۔

یہ وہ چار قسم کے منافق ہیں جن کا قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے۔ اب اگر تم ان چاروں کو مدنظر رکھو تو تمہیں کبھی دھوکا نہیں لگ سکتا۔ بسا اوقات صرف اتنا سمجھا جاتا ہے کہ منافق وہ ہوتا ہے

جو ایمان کے بغیر داخل ہوتا ہے۔ یا منافق وہ ہوتا ہے جو گو ایمان کے ساتھ ہی سلسلہ میں داخل ہؤا ہوتا ہے مگر بعد میں کُلّی طور پر اس کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے حالانکہ یہ صرف منافقوں کی دو قسمیں ہیں ورنہ ان کے علاوہ بھی منافقوں کی اور قسمیں ہیں۔ مثلاً ایک تو وہ منافق ہے جو عقائد میں ہمارے ساتھ متحد ہوتا ہے مگر اس کے دل میں بشاشتِ ایمان باقی نہیں رہتی اب اس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اعتراض کرتا رہتا ہے۔ جب اسے فائدہ پہنچے گا ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گا اور جب اسے کوئی نقصان پہنچے گا وہ اعتراض کرنے لگ جائے گا۔ قرآن کریم میں ان کا بڑا لطیف نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب لڑائی میں نقصان ہوتا ہے تو منافق کہتے ہیں ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ لڑائی نہیں کرنی چاہئے مگر ہماری بات تو کوئی سنتا ہی نہیں۔ ہم بہتیرے چیخے چِلّائے کہ دیکھو لڑائی کے لئے مت جاؤ مگر ہماری ایک بھی نہ سُنی گئی۔ اس پر کمزور دل مؤمن سمجھتا ہے انہوں نے کہا تو تھا؟ معلوم ہوتا ہے یہ سچ کہتے ہیں۔ اور وہ یہ نہیں جانتا کہ انہوں نے محض مسلمانوں کو کمزور کرنے اور ان کے ارادوں کو پَست کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے خیر خواہی اور محبت کے لئے نہیں کہے تھے۔ تو کمزور ایمان والے منافقوں کی ایسی باتوں میں آجاتے ہیں اور اُن کو مخلص سمجھ کر اُن سے تعلقات رکھنے شروع کر دیتے ہیں حالانکہ منافق عملی طور پر سخت کمزور ہوتے ہیں اور اپنی عملی کمزوری کی وجہ سے ہی جماعت کی ترقی میں ہمیشہ روکیں ڈالتے رہے ہیں۔ جہاں قربانی کا سوال آتا ہے وہاں یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ قربانیوں سے جماعت کی طاقت کو برباد کیا جا رہا ہے اور کمزور لوگ سمجھتے ہیں ان کے دل میں سلسلہ کا کس قدر درد ہے اور اگر کبھی کوئی قربانی نتیجہ خیز نہ ہو بلکہ جماعت کو اس کی وجہ سے کچھ نقصان پہنچے تو پھر تو پھُولے نہیں سماتے اور کہتے ہیں ہم نے نہیں کہا تھا اِس قسم کی قربانیاں بے فائدہ ہیں حالانکہ جہاں جماعت کو دس بیس کامیابیاں ہوئی تھیں وہاں انہوں نے کونسا مشورہ دیا تھا۔ مگر جب کامیابی ہو تو اُس وقت تو منافق بالکل خاموش رہتا ہے اور جب کوئی ناکامی ہو تو بڑھ بڑھ کر باتیں شروع کر دیتا ہے صاف پتہ لگتا ہے کہ اس کی غرض محض جماعت کو بدنام کرنا ہے اور کوئی نہیں۔ اور اگر فرض بھی کرو کہ ایک کام کا نتیجہ اتنا اچھا نہیں نکلا جس قدر اچھے نتیجہ کی ہمیں توقع تھی تو اس سے حرج کونسا ہؤا۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتا کہ رات دن جماعت ترقی کر رہی ہے

اور ہر روز اس کا قدم عزت اور شرف کے میدان میں آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ اب جن باتوں میں ہمیں کامیابی ہو رہی ہے کیا وہ باتیں ہم نے منافقوں سے پوچھ کر کی تھیں کہ نقصان کے موقع پر وہ اپنی ہمدردی جتانے کے لئے آگے آجاتا ہے۔ مگر اس کی فطرت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ جب کوئی نقصان ہو تو پھر اپنی خیر خواہی جتانے لگ جاتا ہے اور جب کامیابیاں ہی کامیابیاں حاصل ہوں تو دل ہی دل میں جل بھن کر خاموش رہتا ہے۔ اسی طرح جن جن امور میں اس کی باتیں غلط ثابت ہوتیں اور جن قربانیوں کے متعلق اس کی رائے بالکل بیہودہ ثابت ہوتی ہے، انہیں تو کھا جاتا ہے مگر جب کوئی ایک آدھ بات درست نکلے تو اسے لے بیٹھتا ہے اور کہتا ہے میں نے نہیں کہا تھا کہ اس سے نقصان ہوگا۔

تو چوتھی قسم کا منافق وہ ہے جو پورا مؤمن ہوتا ہے مگر منافق اُس کے دوست ہوتے ہیں اور ان کی غلط دوستی اختیار کر لینے کی وجہ سے سلسلہ کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے اور اُسے اپنے منافق دوست کی غلطی محسوس تک نہیں ہوتی اور وہ باوجود مؤمن ہونے کے مؤمنوں پر عیب لگاتا ہے۔ مؤمن خدا کی بات کہتا ہے تو وہ جھٹ بول اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو کسی پر بدظنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کے مقابلہ میں منافق اعتراض کرتا ہے تو وہ بیٹھا ہوا کہہ رہا ہوتا ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ کیسا مخلص ہے سلسلہ کا اِس کے اندر کتنا درد ہے۔ تو دوستی کی وجہ سے منافق کی بُری بات بھی اُسے اچھی لگتی ہے اور مؤمن کی اچھی بات بھی اُسے بُری لگتی ہے۔ وہ ہوتا مؤمن ہے مگر نام اس کا منافقوں میں ہوتا ہے اور لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ [۱] کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے کبھی کبھی وہ اس کی سزا بھی پا لیتا ہے۔ اگر آپ لوگ میری اس تشریح کے بعد سمجھ لیں کہ منافقین کے چار گروہ ہوتے ہیں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ بہت حد تک آپ غلط فہمیوں سے بچ جائیں۔

اب کئی دوستوں کو محض اِس وجہ سے دھوکا لگ جاتا ہے کہ جب انہیں معلوم ہوتا ہے فلاں شخص منافق ہے تو وہ یہ دیکھتے ہیں کہ آیا وہ وفاتِ مسیح کا قائل ہے یا نہیں، یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی مانتا ہے یا نہیں، یا خلافت کا قائل ہے یا نہیں اور جب وہ دیکھیں کہ وہ وفاتِ مسیح کا بھی قائل ہے، وہ صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی تسلیم کرتا ہے،

وہ خلافت کا بھی قائل ہے تو کہتے ہیں ہمارے بھائیوں کو غلطی لگی ہے وہ منافق نہیں ہے وہ تو تمام عقائد کو تسلیم کرتا ہے حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یوں تو وہ مؤمن ہی ہیں مگر ان کے دلوں میں ایک مرض ہے۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ جب کبھی سہولت اور آرام کا زمانہ ہوتا ہے تو آگے آگے چل دیتے ہیں۔نعرہ تکبیر بلند کرتے ہیں۔ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا مگر جہاں کوئی امتحان کا وقت آیا اور انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا قَامُوْا وہ اُس وقت کھڑے ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں ہمارا دل نہیں مانتا کہ ان قربانیوں سے کوئی فائدہ ہو۔ایسے انسان کو اگر عقائد کے لحاظ سے تم دیکھو گے تو ضرور دھوکا کھاؤ گے اور دوسرں کے لئے بھی ٹھوکر کا موجب بنو گے بلکہ میں کہتا ہوں ایمان ہی نہیں عمل کو بھی اگر دیکھو گے تو تم یہ اندازہ نہیں لگا سکو گے کہ یہ منافق ہے۔ وہ نمازیں بھی پڑھے گا، وہ روزے بھی رکھے گا، وہ زکوٰۃ بھی دے گا، وہ حج بھی کرے گا، وہ چندے بھی دے گا، وہ تبلیغ بھی کرے گا، وہ قربانیوں کے مطالبات میں بھی شامل ہوگا، وہ جلسوں میں تقریریں بھی کرے گا، اِسی طرح وہ عقائد میں ہمارے ساتھ متحد ہوگا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا مأمور سمجھے گا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّن یقین کرے گا، قرآن کریم کو سچا سمجھے گا، خدا کو واحد اور لاشریک تسلیم کرے گا۔غرض عقیدہ بھی اُس کا وہی ہوگا جو تمہارا ہے اُس کا عمل بھی وہی ہوگا جو تمہارا ہے مگر جو چیز اُس کے اندر منافقت ثابت کر رہی ہوگی وہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کا دوست ہوتا ہے، وہ منافقوں سے محبت اور پیار رکھتا ہے اور اُن کی عزت اُسے اِس قدر منظور ہوتی ہے کہ وہ مؤمنوں کے تریاق کو پاخانہ سمجھتا مگر منافقوں کے پاخانہ کو تریاق سمجھتا ہے۔ایسے منافق کو اگر تم عقائد سے پرکھنا چاہو تو کیا تم پرکھ سکتے ہو؟ یا ایسے منافق کو تم اعمال سے پرکھنا چاہو تو کیا تم اُس کی منافقت کو پرکھ سکتے ہو؟ سوائے اِس کے اور کسی چیز سے معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ منافقوں کی حمایت کرتا ہے، وہ منافقوں کا دوست ہوتا ہے اور منافقوں کی بُری باتیں مؤمنوں میں پھیلاتا اور مؤمنوں کی آراء منافقوں تک پہنچاتا ہے ایسا شخص عقیدے کے لحاظ سے منافق نہیں مگر لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا والا منافق ضرور ہے۔ وہ خود ظالم نہیں مگر ظالم کا مُعین اور مددگار ہے۔اُن ظالموں کا مُعین و مددگار جن کے متعلق خدا تعالیٰ یہ کہتا ہے

کہ انہیں دوزخ کے سب سے نچلے حصہ میں ڈالا جائے گا اور چونکہ اُس نے اِس جماعت کے لوگوں سے دوستی ترک کردی جن کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائید تھی اور اِن کے ساتھ اُس کی دلی وابستگی نہ رہی اور بدقسمتی سے اُس کی دوستی اُن لوگوں کے ساتھ ہوگئی جو منافق تھے اور جن کے دلوں میں مرض پایا جاتا تھا اِس لئے اب وہ اس دوستی کی وجہ سے ہمیشہ ان کا ساتھ دیتا ہے انہیں بڑا مخلص اور نیک قرار دیتا ہے اور اگر وہ کوئی اعتراض کریں تو کہتا ہے یہ تو اصلاح کی خاطر اعتراض کررہے ہیں ان کی غرض کوئی فتنہ وفساد پیدا کرنا تھوڑا ہے۔ پس وہ اعتراض کا نام اصلاح رکھتے، بدگوئی کا نام خیر خواہی رکھتے اور عیب چینی کا نام نصیحت رکھتے ہیں اور اسی کو قرآن کریم نے منافقت قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے منافقوں کو جب پکڑا جاتا ہے تو کہتے ہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ [18] ہم تو صرف اصلاح کی نیت سے یہ باتیں کررہے تھے حالانکہ اگر ان کا مقصد محض اصلاح ہوتا تو اُنہیں چاہئے تھا کہ نظام سلسلہ کے ذمہ داروں کے نوٹس میں وہ امر لاتے نہ یہ کہ الگ تھلگ بیٹھ کر اپنی مجالس میں ان باتوں کو بیان کرتے اور اس طرح لوگوں کے قلوب میں مختلف قسم کے وساوس پیدا کرتے۔

اگر ہماری جماعت کے دوست ان چاروں قسم کے منافقین کو اچھی طرح سمجھ لیں تو بہت سے فتنوں کا سدِّ باب ہوسکتا ہے۔ مجھے ہمیشہ یہ حیرت ہوتی ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے جب بعض کو معلوم ہوتا ہے فلاں منافق ہے تو وہ اُس کے پاس جاتے اور اُس سے کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو شروع کردیتے ہیں اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ مسائل میں اُسے کوئی اختلاف نہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کو غلطی لگی ہے یہ تو حضرت مسیح موعود کو نبی مانتا ہے۔ پھر وہ دیکھتے ہیں کہ وہ نماز پڑھتا ہے یا نہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ وہ نمازوں میں بھی باقاعدہ ہے تو کہتے ہیں کہ اب یقین ہوگیا کہ ہمارے بھائیوں کو اس کے متعلق ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ پھر وہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ چندے دیتا ہے یا نہیں اور جب اُنہیں معلوم ہو کہ چندے بھی دیتا ہے تو پھر اُنہیں حقُّ الیقین ہوجاتا ہے کہ وہ منافق نہیں حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ ایک منافق ایسا بھی ہوتا ہے جو اعمال کے لحاظ سے ویسے ہی عمل کرتا ہے جیسے مؤمن اور عقائد کے لحاظ سے ویسے ہی عقائد رکھتا ہے جیسے مؤمن مگر پھر بھی منافق ہوتا ہے۔ آخر جب خدا نے یہ کہا ہے کہ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ

کہ تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اُن تک خبریں پہنچاتے ہیں تو اِس فِیْکُمْ کے یہ معنے تو نہیں ہیں کہ وہ مدینہ میں رہنے والے ہیں، فِیْکُمْ کے یہ معنی بھی نہیں کہ وہ تمہارے ساتھ لڑائیوں میں شامل ہونے والے ہیں بلکہ فِیْکُمْ کے یہ معنی ہیں کہ وہ بظاہر تمہاری طرح نہایت پکے مسلمان ہیں، وہ تمہاری طرح نمازیں پڑھتے، تمہاری طرح روزے رکھتے، تمہاری طرح زکوٰتیں دیتے، تمہاری طرح حج کرتے اور تمہاری طرح جہاد میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر اس ایک بات کو نکال دیا جائے جو اُن میں پائی جاتی ہے تو تم میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں ہوگا مگر لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کے حکم کی خلاف ورزی نے باوجود تم میں سے ہونے کے اُنہیں منافقوں میں شامل کر دیا ہے ورنہ عمل اُن کا وہی ہے جو تمہارا ہے، عقیدہ اُن کا وہی ہے جو تمہارا ہے۔

بعض نے کہا ہے چونکہ یہ آیت رستہ میں نازل ہوئی تھی اِس لئے اِس سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی باتیں سن کر منافقوں تک پہنچا دیتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ان معنوں کو لیا جائے تب بھی وہی بات آجائے گی جو میں نے بیان کی ہے کہ وہ لڑائی میں شامل ہوئے، اُنہوں نے جہاد میں حصہ لیا، وہ مسلمانوں کے دوش بدوش لڑے اور سب جانتے تھے کہ وہ منافق نہیں بلکہ مخلص ہیں سوائے اُن چند لوگوں کے جن کے متعلق یہ آیت نہیں اور جو درمیان میں ایک جگہ شرارتاً بیٹھ گئے تھے باقی سب مخلص تھے قرآن کریم خود اِس امر کی وضاحت کرتا اور فرماتا ہے لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا کہ اگر منافق نکلتے تو تمہیں فائدہ تو کوئی نہیں پہنچتا البتہ نقصان ضرور ہو جاتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر منافق لڑائی میں شامل نہ ہوئے تھے پس فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ منافق نہیں بلکہ مومن ہیں اور اگر ان میں نِفاق ہے تو اتنا کہ وہ بدقسمتی سے منافقوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ اُن تک مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے اور اُن کے اعتراضات طوطے کی طرح رٹ کر عام لوگوں میں پھیلاتے ہیں لیکن عام تعلقات منافقوں سے رکھنے کے باوجود وہ نمازیں پڑھتے، وہ روزے رکھتے، وہ زکوٰۃ دیتے، وہ حج کرتے اور باقی تمام احکامِ اسلام کو بجالاتے ہیں لیکن باوجود ان احکام کی بجا آوری کے وہ ایسے مقام پر کھڑے ہوتے ہیں کہ

منافقوں کی تائید کرتے اور اس طرح جماعت میں فتنہ وفساد پیدا کرتے ہیں۔ یہ منافق نہیں ہوتے مگر اس وجہ سے کہ منافقوں سے تعلقات رکھتے ہیں قریب ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں منافقوں میں شامل کر دے یا وہی سزا ان پر بھی وارد کر دے جو اُس کے حضور منافقوں کے لئے مقدر ہے۔

پس مَیں منافقوں کی ان چاروں اقسام کی طرف جماعت کو توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہوں کہ جب تم پہلی دو قسموں کے منافقوں کو پہچانتے ہو تو باقی دو کو بھی تلاش کرو۔ پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ کے فضل کس سُرعت سے تم پر نازل ہوتے اور تمہارے قدم کو کتنی جلدی میدانِ ترقی میں آگے سے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ ہماری جماعت میں بھی ہیں اور وہ طرح طرح کے فتنے پیدا کرتے رہتے ہیں مگر وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیاب ہمیشہ الٰہی سلسلہ ہوتا ہے اور اب بھی اللہ تعالیٰ کا سلسلہ ہی کامیاب ہوگا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ منافقوں کی رُکاوٹوں کی وجہ سے وہ فتح جو احمدیت کو بیس سال میں ہوتی ہے وہ بجائے بیس سال کے تیس سالوں میں ہو مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ فتح نہ آئے لیکن کیا تم یہ پسند کرو گے کہ خدا تعالیٰ کا نور دس سال اَور پیچھے جا پڑے؟

مجھے افسوس ہے کہ کئی نادان ہماری جماعت میں ایسے بھی ہیں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ ان منافقوں کی ریشہ دوانیوں سے حرج کیا ہے جبکہ ہماری فتح یقینی ہے حالانکہ وہ اِتنا نہیں سمجھتے کہ بے شک ہماری فتح یقینی ہے مگر ان کی کوششوں اور فتنوں کے نتیجہ میں یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ فتح جو دس سالوں میں ہونی ہے وہ بجائے دس سالوں کے بیس سالوں میں ہو اور اس طرح دس سال فتح میں دیر ہو جائے حالانکہ مؤمن تو ایک منٹ کی دیر بھی پسند نہیں کرتا کُجا یہ کہ وہ دس یا بیس سال کی دیر کو پسند کرے۔ کیا اگر کسی کا اکلوتا بیٹا بیمار ہو اور ڈاکٹر اُس سے یہ کہے کہ وہ بیس دنوں میں اچھا ہو جائے گا لیکن اسی دوران میں ایک اَور ڈاکٹر آ جائے اور کہے تم میرے ساتھ ٹھیکہ کر لو۔ اتنی فیس مَیں لوں گا اور اِسے دس دن میں اچھا کر دوں گا تو کیا کوئی ایک باپ بھی ایسا ہوسکتا ہے جس کے پاس روپیہ ہو اور وہ پھر یہ پسند نہ کرے کہ اُس کا اکلوتا بیٹا بیس دنوں کی بجائے دس دنوں میں اچھا ہو جائے؟ میں تو سمجھتا ہوں اگر کسی شخص کے پاس روپیہ ہوگا تو وہ سینکڑوں روپے دے کر بھی یہ چاہے گا کہ اس کا بیٹا بیس دن کی بجائے دس دن میں اچھا ہو جائے۔ مگر کیا تمہاری

یہ تمام سخاوت دین کے معاملہ میں بھی آ کر یہی ظاہر ہوتی ہے اور تم کہتے ہو کہ اگر دس سال کی بجائے بیس سال میں اسلام کو فتح ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ گویا تمہارے نزدیک دس سال کی دیر کوئی دیر نہیں۔ کہتے ہیں ''حلوائی کی دکان اور دادا جی کی فاتحہ''۔ تم اپنے معاملہ میں تو یہ پسند نہیں کرتے کہ ایک یا دو دن کی دیر بھی ہو مگر جب خدا تعالیٰ کے دین کا معاملہ آ جائے تو کہنے لگ جاتے ہو کیا حرج ہے دس سال نہ سہی بیس سال میں فتح ہو جائے گی۔ تم اپنے معاملات میں تو ہمیشہ نتائج کو پہلے دیکھنے کی کوشش کیا کرتے ہو، پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ کا نور دنیا میں جلد سے جلد پھیلے اور درمیان میں جس قدر روکیں ہیں وہ دور ہو جائیں۔

ایک زمیندار کو اگر کوئی شخص کہے کہ تمہاری کھیتی چھ ماہ کی بجائے تین ماہ میں پک کر تیار ہو سکتی ہے اور میں اِس کا ذمہ لیتا ہوں تو تم دیکھو گے کہ وہ فوراً اِس کوشش میں لگ جائے گا کہ اُس کی کھیتی کسی طرح جلدی پک کر تیار ہو جائے۔ پس ذاتی امور میں تو تم نتائج کو جلد سے جلد دیکھنے کے متمنی ہوتے ہو مگر جب خدا تعالیٰ کا معاملہ آ جائے تو اُسے آخر سے آخر وقت تک ڈالنے کے لئے تیار ہو جاتے ہو۔ یہ کوئی خوبی کی بات نہیں بلکہ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بے دینی کی رگ ہے جو تمہارے اندر پائی جاتی ہے۔ ورنہ جو شخص دین سے محبت کرتا ہے وہ تو کہے گا کہ میرا کام بے شک پیچھے پڑا رہے مگر خدا تعالیٰ کے دین کا کام نہ رُکے۔ اس نقطہ نگاہ کے ماتحت اگر تم اپنے اِردگرد نظر ڈالو تو تمہیں منافق بھی نظر آنے لگ جائیں گے۔ اور پھر تم منافقین کے فتنہ کی اہمیت کو بھی سمجھ سکو گے۔ تم ہمیشہ اس نقطہ نگاہ سے دیکھا کرتے ہو کہ یہ خدا کا دین ہے اور آخر یہ کامیاب ہو کر رہے گا۔ بیشک یہ کامیاب ہوگا مگر کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اس کی ترقی دس یا بیس سال اور پیچھے جا پڑے؟ اور اگر تم کہو کہ ہاں ہم یہ پسند کرتے ہیں تو تم مجھے معاف کرو مجھے تمہارے دین اور ایمان کے متعلق شُبہ پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی مَیں یہ بھی کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو منافقوں سے گھبرا جاتے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ منافق ہر الٰہی سلسلہ میں پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے رہیں گے اور منافقوں کو ظاہر کرنا اور منافقت کو کچلنا ہر مؤمن کا فرض ہے۔ نِفاق کا مرض کوڑھ کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح کوڑھ پہلے تھوڑا ہوتا ہے اور پھر پھیلتے پھیلتے تمام جسم کو ماؤف کر دیتا ہے اِسی طرح نِفاق بھی

آہستہ آہستہ انسانی قلب کو بالکل سیاہ کر دیتا اور اُس کے نورِ ایمان کو سلب کر لیتا ہے۔

پس نفاق کا مقابلہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں ہماری جماعت کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ نہ صرف خود نِفاق سے بچے بلکہ دوسروں کو بھی نِفاق سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے اور منافقوں کو اُن کی تدابیر اور منصوبوں میں پوری طرح ناکام کر دے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری جماعت کو منافقوں کے پہچاننے اور اُن کا مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایسی طاقت اُنہیں بخشے کہ وہ منافقوں کا پوری طرح مقابلہ کریں تا دینِ اسلام کو جلد سے جلد فتح حاصل ہو اور خود اُن کے اندر ایسی یک جہتی اور اتحاد پیدا ہو جائے کہ دشمن ہزار وسوسے ڈالے وہ ان کے اتحاد اور یک جہتی کو توڑ نہ سکے وہ بُنیانِ مرصوص ہو کر دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہوں اور ہر کمزوری اور ہر رخنہ اُس کے فضل سے دور ہو جائے۔ وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔'' (الفضل ۱۲؍اگست ۱۹۳۸ء)

---

۱ بخاری کتاب النکاح باب اَلمَرْءَ ۃُ رَاعِیَۃٌ فی بیتِ زَوْجِھَا

۲ النسآء:۳۵

۳ بخاری کتاب الاذان باب الاذان لِلْمُسَافِرِیْنَ......(مفہوماً)

۴ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬

(الاعراف:۳۹)

۵ ترمذی کتاب البر والصلۃ باب مَاجَاءَ فی الْاِقْتِصَادِ فی الْحُبّ وَ الْبُغْضِ

۶ مسلم کتاب المساقاۃ باب الْاَمْرُ بِقَتْلِ الْکِلَابِ

۷ الکھف:۷۹ ۸ الماعون:۵تا۷ ۹ البقرۃ:۹

۱۰ التوبۃ:۶۶ ۱۱ التوبۃ:۴۲ ۱۲ البقرۃ:۲۱

۱۳ البقرۃ:۱۱ ۱۴ التوبۃ:۴۷ ۱۵ الاحزاب:۶۱

۱۶ الناس:۶ ۱۷ ھود:۱۱۴ ۱۸ البقرۃ:۱۲